مسلمانانِ پاکستان کو لیلۃ القدر کے ساتھ یومِ آزادی اور عید الفطر مبارک ہو

وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا ٱلۡقُرۡءَانَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٍ (القرآن)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے!

جلد 13	شمارہ 06	شوال 1440ھ	جون 2019ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: ثاقب نذر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون بیس ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت: اندرونِ ملک 800 روپے، معمول کا شمارہ 50 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ البقرۃ	3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو: یومِ آزادی............	انجینئر مختار فاروقی	6
4	رؤیت ہلال کا مسئلہ، بصری یا نظری	انجینئر مختار فاروقی	10
5	پانی (2)	ڈاکٹر محمد سرشار خان	25
6	حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر (6)	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	35
7	جدید تعلیمی ادارے......اسلامی اقدار تباہ کر رہے ہیں	پروفیسر خالد جامعی	43
8	فتنے اور اُمت محمدیہ ﷺ	مولانا یوسف بنوریؒ	53
9	استقبالِ رمضان تقریبات کی رپورٹ	انجینئر عبداللہ اسماعیل	57
10	50واں قرآن فہمی کورس کے شرکاء کے تأثرات		60
11	تبصرہ وتعارف کتب		62
12	پانی پینے کا طریقہ	انجینئر مختار فاروقی	65

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ البقرۃ (02) آیات 53-57

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

وَ اِذ اٰتَینَا مُوسَی الکِتٰبَ وَ الفُرقَانَ لَعَلَّکُم تَھتَدُونَ ﴿۵۳﴾

اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور معجزے عنایت کیے

تا کہ تم ہدایت حاصل کرو

وَ اِذ قَالَ مُوسٰی لِقَومِہٖ

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ

یٰقَومِ اِنَّکُم ظَلَمتُم اَنفُسَکُم بِاتِّخَاذِکُمُ العِجلَ

اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے

فَتُوبُوٓا اِلٰی بَارِئِکُم فَاقتُلُوٓا اَنفُسَکُم

تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو

ذٰلِکُم خَیرٌ لَّکُم عِندَ بَارِئِکُم

تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے

فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ

پھر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۵۴﴾

بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے

وَ اِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً

اور جب تم نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اے موسیٰ!

جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے

فَاَخَذَتۡكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾

تو تم کو بجلی نے آ گھیرا اور تم دیکھ رہے تھے

ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۶﴾

پھر موت آ جانے کے بعد ہم نے تم کو از سر نو زندہ کر دیا تا کہ احسان مانو

وَ ظَلَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡغَمَامَ وَ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰى

اور بادل کا تم پر سایہ کیے رکھا اور (تمہارے لیے) من و سلویٰ اتارتے رہے

كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ

کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ

(پیو مگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی)

وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰـكِنۡ كَانُوۡاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۵۷﴾

اور وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡمُ

جَمِيۡعُ الۡعِلۡمِ فِى الۡقُرۡآنِ لٰكِنۡ تَقَاصَرَتۡ عَنۡهُ اَفۡهَامُ الرِّجَالِ

ترجمہ: سارا علم قرآن مجید میں موجود ہے لیکن لوگوں کے ذہن اس (سارے علم) سے قاصر ہیں

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

عَن ابُن عمر قَالَ: قَالَ رَسُول اللّٰه ﷺ:

لَأَنْ أَمْشِیَ مَعَ أَخٍ لِیْ فِیْ حَاجَۃٍ أَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ أَنْ اَعْتَکِفَ شَھْرًا فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا وَ مَنْ مَشٰی مَعَ أَخِیْہِ الْمُسْلِمِ فِیْ حَاجَۃٍ حَتّٰی یَقْضِیْھَا ثَبَّتَ اللّٰہُ قَدَمَیْہِ یَوْمَ تَزِلُّ الْأَقْدَامُ (الدُرّالمنثور وقال اخرجه البخاری فی جزء التراجم بسند ضعیف جدا)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’میں اپنے بھائی کی کسی حاجت (کی تکمیل) میں چل کر جاؤں تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ اپنی اِس مسجد میں ایک مہینے کا اعتکاف کروں اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کسی حاجت میں چل کر جائے یہاں تک کہ اس کو پورا کردے تو اللہ تعالیٰ اُس دن اس کے قدم جمادے گا جب قدم پھسل جائیں گے‘‘۔

یومِ آزادی

14 اگست 1947ء _ 27 رمضان المبارک 1366ھ

انجینئر مختار فاروقی

☆ 27 رمضان المبارک 1366ھ اور 14 اگست 1947ء (بروز جمعرات) ایک ہی دن کی دو شناختیں ہیں اور ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں۔

☆ قیام پاکستان کے بعد کی تمام حکومتیں اور مقتدر طبقات اپنے اپنے انداز میں جدید تعلیم یافتہ حضرات اور مذہبی و دینی طبقات کو قریب لانے کی کوششیں کرتے رہے ہیں اور ان کے ذہنوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی سرگرمیوں میں سرگرم رہے ہیں۔

☆ پاکستان کے مذہبی طبقات ــــ تحریک پاکستان، مفکّرِ پاکستان، بانئ پاکستان اور شہدائے پاکستان (وہ خوش نصیب، گمنام، مخلص اور بے نوا خواتین و حضرات، بچے، بوڑھے اور جوان جو سرزمین پاکستان کی طرف سفر ہجرت کے دوران شہید کر دیے گئے یا وفات پا گئے، ان پر اللہ کی طرف سے ڈھیروں رحمتیں ہوں) کے قدر دان ہیں مگر بعد کی ملک خداداد پاکستان کی سیاسی قیادت کے بارے میں بہت سے تحفظات رکھتے ہیں اور ان سے نالاں ہیں کہ انہوں نے آزادی کے ان تازہ لمحات میں قیامِ پاکستان کے مقاصد کی طرف پیش قدمی میں کوتاہی کی بلکہ بعض صورتوں میں گریز کیا۔

☆ یہ بحث کہ ماضی میں کس نے کیا کوتاہی کی؟ اور کیوں کوتاہی کی؟ وہ مخلص نہیں تھا، وہ دشمنوں کے ساتھ مل گیا تھا وغیرہ وغیرہ، لاحاصل ہے اور ایسی بحث سے فائدہ کم اور نقصان

زیادہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

☆ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج سے پاکستان کی قسمت کی لکیر پر اثر انداز ہونے والے تمام طبقات از سرنو اپنے عزم کو تازہ کریں کہ پاکستان کو اپنے قیام کے مقاصد کی طرف کیسے لے جایا جاسکتا ہے۔اس نازک موقع پر ہم سب کے لیے اختلافات اور تحفظات کو نظر انداز کر کے مثبت طور پر آگے بڑھنے اور اپنے جذبوں کو جلا دے کر از سرنو صحیح سمت میں لگانے کی اشد ضرورت ہے۔

☆ جنوبی ایشیا میں بسنے والے کلمہ گو مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ 'رہن بسیرا' کے خواب وخیال اور اس کے لیے ٹھوس دلائل فراہم کرنے کا سہرا علامہ اقبال کے سر پر سجا ہے، یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے انہیں بخشا ہے جس میں کوئی دوسرا ان کا سہیم وشریک نہیں ہے۔

☆ علامہ اقبال سے پہلے اور بعد میں بھی مسلمانوں کے دیگر مخلص طبقات نے دوقومی نظریہ سے ہٹ کر استخلاصِ وطن اور عالمی مغربی صہیونی برطانوی استعمار کو ملک بدر کرنے کی مسلسل دوصدیاں کوششیں کی ہیں، ان کا اعتراف نہ کرنا کم ظرفی ہی نہیں نصف النہار پر سورج کی موجودگی کا انکار ہے۔

☆ اس صہیونی برطانوی منحوس استعمار کی جنوبی ایشیا آمد، دوصدیوں کا غاصبانہ قبضہ اور مسلمانوں کو غلام بنانا اب تاریخ کا حصہ ہے۔تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ نامعلوم وجوہات کی بنا پر بابا گرونانک کے پیروکار جس طرح مغلوں سے برسرپیکار رہے اس شدت سے وہ کبھی انگریز سے 'استخلاصِ وطن' کے لیے برسرپیکار نہیں رہے۔اسی طرح مسلمانوں کی ہزار سالہ جنوبی ایشیا میں موجودگی میں ہندو کبھی 'فرعون کے دور میں بنی اسرائیل' کی طرح غلام نہیں رہے تاہم یہ حقیقت ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے انگریز کے خلاف تحریک شہیدین برپا کی اس طرح کی کوئی تحریک ہندو نے انگریز کے خلاف برپا نہیں کی۔مسلمانوں کے خلاف پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹہ قوت 3 لاکھ جمع ہوگئی تاہم انگریز کے خلاف اسی مرہٹہ قوت نے کسی فیصلہ کن (ALL OUT) جنگ یا مہم کی کوشش نہیں کی۔

☆ 1757ء کی جنگ پلاسی سے لے کر 1857ء کی جنگ آزادی تک کا عرصہ مسلمانوں کی کسی سرگرمی کی تائید کے علاوہ دیگر اقوام کی انگریز کے خلاف کسی جاندار مزاحمتی تحریک

(RESISTANCE MOVEMENT) کے تذکرے سے خالی ہے حالانکہ مسلمان ان کے مقابلے میں 1/3 تھے۔ 1857ء سے 1920ء تک برطانوی ہند کی غیر مسلم اقوام (جس میں ہندو غالب اکثریت میں تھے) میں 1885ء میں آل انڈیا کانگریس کے قیام کے علاوہ آزادی کے لیے جدوجہد کی ملک گیر تحریک نظر نہیں آتی۔ ہندو قوم کا آسودہ حال طبقہ تاجر پیشہ تھا اور انگریز کے آتے ہی EIC (EAST INDIA COMPANY) کا لوکل پارٹنر (LOCAL PARTENER) بن گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ انگریز جب بھی جائے گا ہندو برطانوی ہند کا وارث بنے گا وہ چالاکی سے مسلم قیادت کو ساتھ ملا کر متحدہ قومیّت کا نعرہ دے کر خود آزادی کی جدوجہد سے بے نیازی برت رہا تھا۔ ہندو اپنے طرزِ عمل سے دوست بن کر مسلمانوں کو انگریز سے لڑاتا رہا اور مختلف نعرے لگا کر مسلمانوں کو برطانوی ہند سے باہر کرنے کے منصوبے بناتا رہا۔ جلاوطن آزاد حکومت، سودیشی مال کا بائیکاٹ (تاکہ بعد میں مسلمانوں کے لیے حرمین شریفین سے چیزوں کے آنے کی پابندی لگ سکے۔ وغیرہ) .... ہندو کے خیال میں مسلم قیادت کے خاتمے پر مسلمان عوام سے سیاسی طور پر نمٹنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مسلم لیگ کے قیام اور علامہ اقبال کے 1911ء کے بعد بیداری کے پیغام، پھر 1930ء کے خطبہ الٰہ آباد کے ذریعے مسلم عوام میں بیداری کی لہر نے ہندو ذہن کے لیے تقسیم بھارت، علیحدہ مسلم وطن، مسلم تصورِ خلافت اور خلافت کی آفاقیت جیسے سوالات کھڑے کر دیے۔

ہندو کے منفی رویے کے باوجود پاکستان بن گیا جس سے ہندو کو اپنے ناپاک منصوبوں کے ذریعے ہند میں اسلام کے خاتمے کی راہ ہموار کرنے میں ستر سال لگ گئے۔ وہ اپنے ان ناپاک عزائم کو اپنے سینے میں صدیوں سے چھپائے بیٹھا تھا۔ (واللہ اعلم)

☆ مولانا شبیر احمد عثمانی اور دیگر علماء کا مسلم لیگ کی تحریک میں آنا اچھا شگون تھا۔ اگر علماء ہند پاکستان بن جانے کے بعد اس ملک کو چلانے کی ذمہ داریاں ادا کرتے اور اپنا نصابِ تعلیم تبدیل کر کے ملک کو جدید دینی قیادت دیتے تو آج کا پاکستان بہت مختلف ہوتا۔

☆ حالات کے جبر اور SOFT تبدیلی کے ذریعے اب علی گڑھ مکتبہ فکر اور دینی مکاتبِ فکر کے مابین ہم آہنگی کی ضرورت کا احساس اجاگر ہوا ہے مثبت طور پر بیداری کے ان جذبات کو

استعمال کر کے اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوانا اب رجالِ دین کا کام ہے۔

اس ہم آہنگی کو پائیدار بنانے کے لیے ہمارے نزدیک 27 رمضان المبارک کو بھی یومِ پاکستان سرکاری طور پر (ہر مسجد میں) منایا جانا چاہیے۔

اس مستحسن اقدام سے ملک میں بانیانِ پاکستان کے ذہن میں جو 'اسلامیت' تھی وہ اجاگر ہوگی۔ علماء اور عوام بھی اپنے خوابوں کی تعبیر کو متشکل ہوتے دیکھ کر اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے نقوشِ پا کی طرف لوٹیں گے اور دوسرے ریاستی ادارے بھی اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں گے۔

☆ حکومت کو اس مطالبے کو شرفِ پذیرائی بخشنے سے پہلے ہماری علمائے کرام سے درخواست ہے کہ وہ 27 رمضان کو شب قدر کی دیگر مصروفیات کے ساتھ قیامِ پاکستان کے مقاصد کو اجاگر کرنے کا بھولا ہوا سبق خود تازہ کر لیں تو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی آزادی کی نعمت کا حق ادا کرنے کا موقع قریب آسکتا ہے عوام کو بھی دیگر مواقع پر خوشی اور چراغاں کا اہتمام کرنے کے علاوہ 27 رمضان کو ایک دینی مذہبی اور اسلامی تہوار کے طور پر اجاگر کرنے میں اپنی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے۔ ع ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کونسی رات لیلۃُ القدر ہے تو میں اس میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس طرح کہو:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ

(اے اللہ! بے شک تو بہت معاف کرنے والا ہے، معاف کرنے کو پسند کرتا ہے مجھے معاف کر دے)

(رواہ الترمذی)

رؤیت ہلال کا مسئلہ

بصری یا نظری

اُمت مسلمہ کا ایک زندہ مسئلہ

(شائع شدہ حکمت بالغہ جولائی 2008ء)

انجینئر مختار فاروقی

ہر سال رمضان المبارک کے آغاز اور عیدین کے موقع پر نئے چاند کی تاریخ کے تعین کے سلسلے میں دن بدن اختلاف بڑھتا چلا جا رہا ہے جو تمام مسلمانوں اور اتحاد بین المسلمین کے علمبرداروں کے لیے ذہنی پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ نئے قمری ماہ کا چاند دیکھنے کا مسئلہ بظاہر تو سادہ سا ہے مگر دورِ حاضر کی حیران کن ترقی اور وسائل کی فراوانی نے اسے ایک اہم قضیہ بنا دیا ہے۔ ایک صدی پہلے تک جہاں جہاں مسلمان بستے تھے وہاں مقامی مطلع کے مطابق چاند دیکھ کر قمری مہینے کی یکم تاریخ کا تعین کر لیتے تھے۔ اس لیے کہ سفر مشکل تھے اور اطلاعات کی منتقلی زیادہ تیز رفتار نہیں تھی زیادہ سے زیادہ سفر روزانہ 15-20 میل (یا 20-30 کلومیٹر) ہوتا تھا اس درجے میں مطلع کا ویسے ہی زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔

دورِ حاضر میں ایک آدمی سعودی عرب میں چاند دیکھ کر جہاز میں بیٹھتا ہے اور رات گیارہ بجے تک کراچی پہنچ جاتا ہے یا آدمی کراچی سے عصر کے وقت روانہ ہو کر جدہ اترتا ہے تو وہاں مغرب/عشاء کے درمیان کا وقت ہوتا ہے دوستوں کو موبائل پر اطلاع دے سکتا ہے کہ چاند نظر آ گیا ہے۔ لمحے لمحے کی خبریں یہاں سے وہاں، مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچ رہی ہیں لہٰذا اب ہماری ذہنی ساخت اور صدیوں سے بنے بنائے نسلاً بعد نسلٍ جاری ذہنی پیمانے بھی مجروح ہو رہے ہیں۔

قرآن مجید بلاشبہ اللہ کا کلام ہے اور سنت رسول ﷺ قرآن کی تشریح اور تفاصیل کے تعین کے لیے واحد سرچشمہ ہے۔ قرآن وسنت اپنی جگہ لیکن قرآن وحدیث سے ہمارے ذہنوں نے کچھ چیزیں اخذ کرنے کے لیے ایک کائناتی تصور کا معہود ذہنی ساخت اور سانچہ یا کنیڈا پہلے ہی بنالیا ہوتا ہے جو ہر دور میں اپنے دور کے مروّجہ علوم اور عصری علوم کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ چودہ سو سال پہلے کائنات سے متعلق قرآن وحدیث کے الفاظ سے جو سمجھا گیا وہ اس دور کے عصری علوم کی فضا سے باہر نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس کا مکلّف ٹھہرایا ہے تاہم گذشتہ دو تین صدیوں میں مغربی علوم کی ترقی کے ساتھ کائنات کے بارے میں جو انسانی معلومات میں حد درجہ اضافہ ہوا ہے اس سے قرآن وحدیث کے الفاظ اور متن میں تو نہ کوئی فرق پڑنے والا ہے اور نہ آئندہ پڑے گا مگر ہمارے ذہنی پیمانے اور تصورات کو اس ترقی سے ضرور دھچکا لگتا ہے جس صورت حال کو ہم جلد بازی میں ''قرآن وحدیث کے خلاف'' کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیتے ہیں حالانکہ کائناتی حقائق کے بارے میں سائنسی ترقی قرآن مجید کے الفاظ اور متن کو زیادہ حق ثابت کررہی ہے اور اس کی تائید اور تقویت کا باعث ہے جس کا ہمیں اعتراف کرنا چاہیے۔ اس کی درج ذیل مثالیں سامنے رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن رسا کو قرآن وسنت کے تصور کے قریب تر کردیں گے۔ (مزید انشراح صدر کے لیے فرانس کے نومسلم ڈاکٹر مورس تھائی کی کتاب ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کا مطالعہ کریں۔

آج سے 6 ہزار سال پہلے سے لے کر اٹھارھویں صدی تک دنیا بھر میں عوامی سطح پر زمین کے چپٹا ہونے کا تصور تھا۔ (آج بھی دور دراز علاقوں میں کم تعلیم یافتہ لوگ شاید اسی دور میں رہ رہے ہیں) آسمان کا بلند ہونا بھی بس چند سو میٹر سے زیادہ فاصلے کا تصور نہ تھا۔ اسی لیے ہمارے قدیم مذہبی لٹریچر میں اور قرآن کی تشریح میں جو اس دور کی تحریریں ہیں ان میں طوفانِ نوحؑ کا تذکرہ عجب انداز میں ہے کہ وہ پوری زمین پر آیا تھا بلکہ دیہاتی سطح پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت نوحؑ کا بیڑا آسمان سے جالگا تھا۔

قرآن مجید میں سورۃ مومن (40) میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت توحید دی ہے اور ربّ العالمین کا ذکر فرمایا ہے تو فرعون نے بزعم خویش اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ

میرے لیے ایک اونچی سی عمارت بناؤ تا کہ اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب فضاؤں میں کہاں ہے؟ـــــــ اس کے خیال میں دس بیس منزلہ مکان کی چھت (یا اونچے سے اونچے اہرام 400 فٹ) پر کھڑے ہو کر فضا میں اللہ کے بارے میں خبر لائی جاسکتی ہے۔ یہ کوتاہ فہمی صرف فرعون کا قصور نہیں تھا بلکہ کئی سو سال تک طبیعات کی دنیا کے یہی تصورات رہے۔ انسان وحی الٰہی کی بھی وہی تشریحات کرتا ہے جو اس کے مروّجہ علوم عصری سے ایک ذہنی ظرف تیار ہو چکا ہوتا ہے اور یہی سلسلہ ماضی میں جاری رہا ہے۔

الحمد للہ، حقیقت کے عین مطابق امت مسلمہ کا ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے الفاظ اٹل اور مستقل ہیں، قرآن مجید کی تشریح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس سنت کا ماخذ اوّل کتب احادیث ہیں اور پھر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ تاہم چونکہ احادیث کے الفاظ اور متن میں انسانی ذہن اور یادداشت کو دخل ہے لہٰذا اس کے الفاظ صحابہؓ اور تابعین کے دور کے بعد کے غیر ثقہ راویان کی وجہ سے حدیث کے صحیح ہونے اور مفہوم کے ادا ہونے کے باوجود الفاظ کے غیر نبوی ہونے کا امکان ہے۔

اس پر مستزاد ہے عصری علوم اور طبعی اور جغرافیائی حقائق کے زیر اثر آج سے ہزار سال قبل کا ذہن جس نے علوم انبیاء علیہم السلام کو اخذ کیا اور ان کی تشریح کی لیکن اس دور کے کائنات کے تصور سے بہر حال باہر نہیں جاسکتے تھے اور نہ ممکن ہی تھا۔

آج گزشتہ پانچ صدیوں کی محنت اور تجرباتی علوم کی ترقی کے باعث فلکیات، طبقاتی سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب کائنات کا تصور ہی بدل گیا ہے اور پرانے ذہنی سانچے الٹ پلٹ ہو گئے ہیں۔

اسی طرح چاند، زمین اور سورج سے متعلق حقائق کی دریافت سے بھی پرانا ذہن بدل چکا ہے۔ اگرچہ قرآن مجید کے الفاظ اٹل ہیں اور احادیث اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی غیر متبدل ہے تاہم سائنسی اور کائناتی حقائق کی دریافت اور علم کی وسعتوں کے پیش نظر انسان کا ذہنی ظرف بدلا ہے تو قرآن وحدیث کے الفاظ کی روشنی میں حقائق پر دوبارہ غور وفکر کی ضرورت ہے اور یہ بھی کوئی

اور نہیں علماء کرام اور ماہرین قرآن وسنت ہی کو کرنا ہوگا۔

اس پس منظر میں دیکھئے قمری مہینے کی ابتداء اور رؤیت ہلال کا مسئلہ اہم ہونے کے باوجود کوئی لا ینحل مسئلہ نہیں ہے، آیئے چند بنیادی حقائق پر نظر ڈالیں اور غور کریں۔

(1) زمانہ قدیم میں قمری اور شمسی دونوں طرح کے کیلنڈر رائج تھے اور آج بھی ہیں اور مذاہب واقوام عالم عام طور پر کسی ایک کو اپنے لیے اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اسلام کی آفاقیت کی دلیل اور اللہ کی حکمت کا مظہر ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسلام کی تعلیمات کو بروئے کار لانے کے لیے سورج اور چاند دونوں سے متعلق وقت کی پیمائش کو اپنا اپنا مقام دیا ہے۔

(i) نمازوں کے لیے سورج کے طلوع وغروب کے حوالے سے پانچ نمازیں فرض ہیں اوقات (زوال، طلوع، غروب وغیرہ) سورج سے متعلق کر دیے گئے ہیں۔

(ii) فصلوں کا نظام اور عشر کا نظام بھی سورج کے ساتھ وابستہ ہے صاف ظاہر ہے کہ اس کو قمری نظام سے جوڑنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی جوڑا گیا ہے۔

(iii) اسلامی تقویم اور حج اور روزہ کی عبادت کو چاند کی حرکت اور تغیر وتبدل کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں ویسے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں تاہم جو حکمت عیاں ہے وہ یہ کہ روزہ اور حج کو قمری کیلنڈر سے جوڑ کر ان عبادات کو کسی ایک موسم کی بجائے سال بھر کے دوران چلایا گیا ہے کہ دنیا کے ہر خطے اور علاقے کے لوگ مختلف موسموں اور فصلوں اور مصروفیات کے دوران ان عبادات کے لیے وقت نکالیں اور سردیوں گرمیوں کے مستقل خانوں میں مقید نہ رہیں۔

(iv) نمازوں کے اوقات کے لیے پہلے سورج کو دیکھا جاتا تھا اور سائے سے اندازہ لگایا جاتا تھا اب اس نے ترقی کر کے گھڑی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ سوئیوں والی گھڑی کی بنیاد سورج اور سایہ کی تبدیلی ہی ہے۔

(v) اب موجودہ دور میں ایک قدم آگے بڑھ گیا ہے اور ڈیجیٹل کلاک نے تو سارا منظر تبدیل کر دیا ہے اور گھڑی اور سورج کا ایک موہوم سا تعلق بھی قصہ ماضی بنا دیا ہے۔

دورِنبوی اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں رؤیت ہلال سے متعلق مختلف مواقع پر مندرجہ ذیل قسم کی صورت حال پیدا ہوئی۔

(i) اسلام میں عیدوں کی تہواری اہمیت اور حضرت محمد ﷺ کی ترغیب اور تشویق کے نتیجے میں عام شوق تھا کہ چاند دیکھا جائے۔ اگرچہ کبھی بھی شاید ایسا نہیں ہوا کہ لازماً تمام مرد و خواتین چاند دیکھیں تاہم اگر اکثر نے چاند دیکھ لیا تو بات اولی الامر تک پہنچائی گئی اور چاند کا اعلان کر دیا گیا۔

(ii) مطلع کے صاف نہ ہونے یا کسی اور وجہ سے ہلال عمومی طور پر نظر نہیں آیا تو کم از کم دو معتبر گواہ ہونے کی صورت میں اولی الامر نے چاند ہونے کا فیصلہ دے دیا۔

(iii) کسی علاقے میں چاند نظر نہیں آیا بلکہ باہر سے کوئی آدمی آیا اور اس نے (مطلع کے ذرا سے فرق کی وجہ سے) چاند دیکھنے کی شہادت دی تو اولی الامر نے چاند دیکھنے کا فیصلہ کر دیا۔

(iv) دور نبوی ﷺ میں رمضان کے 30 ویں دن ایک آدمی مدینے سے باہر سے آیا اور اس نے چاند ہونے کی اطلاع دی تو رسول اللہ ﷺ نے روزہ کھلوا کر عید ہونے کا اعلان فرما دیا۔

(v) اسلامی سلطنت کی وسعت پر مختلف شہروں میں چاند کے فیصلہ ہونے کی صورت میں قریبی علاقہ جہاں تک اطلاع پہنچائی جا سکتی تھی (زیادہ سے زیادہ ایک روز کا سفر) وہاں تک نیا چاند نظر آنے کو تسلیم کر کے اس کے مطابق عمل کیا گیا۔

دورِحاضر میں علمائے کرام اور ماہرین قرآن وسنت نے مختلف مواقع پر نئے تناظر میں اجتہاد کیا ہے اور امت کی رہنمائی کی ہے یہ اجتہادی فیصلے بڑے اہم ہیں اب وہاں سے آگے کی طرف مزید سوچنے کی ضرورت ہے۔ 60 کی دہائی میں جب پاکستان مغربی اور مشرقی حصوں پر مشتمل تھا ایسا ہوتا تھا کہ مغربی پاکستان میں چاند نظر آیا تو 1000 میل دور مشرقی پاکستان میں عید کر لی گئی اور اگر مشرقی پاکستان میں چاند نظر آیا تو مغربی پاکستان میں عید کر لی گئی۔ اگرچہ مروّجہ طور

پر مشرقی اور مغربی پاکستان میں ایک گھنٹے کا فرق تھا اب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد کیا 1000 میل (1600 کلومیٹر) کے فاصلے پر دالبدین سے بحرین کا یا الجبیل (سعودی عرب کا مشرقی مقام) سے ہلال کی رؤیت کو نہیں جوڑا جاسکتا۔ پشاور میں چاند نظر آنے پر گوادر اور تربت میں عید ہوسکتی ہے تو تربت میں چاند نظر آنے پر پورے ملک میں عید کیوں نہیں ہوسکتی؟۔ امرتسر اور لاہور کا فرق 50 کلومیٹر کا ہے شاید گوادر میں رؤیت ہلال پر لاہور میں عید ہو جائے۔ مگر امرتسر میں چاند نظر آنے پر ممکن نہیں کیوں؟۔ حالانکہ مطلع کا کوئی فرق نہیں اور مطلع اور فضا ہر قسم کی جغرافیائی حدود سے بالاتر چیز ہے۔ اس طرح سعودی عرب اور مصر، سعودی عرب اور کویت، امارات، عراق، اردن اس طرح ہیں جس طرح پاکستان کا صوبہ بلوچستان اور صوبہ سرحد اور کشمیر۔ پھر اللہ ﷻ نے عالم اسلام کو جو جگہ دی ہے وہ جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ انڈونیشیا، ملائیشیا سے مراکش تک صرف 6 گھنٹے کا فرق ہے جبکہ پاکستان سے لے کر سعودی عرب تک کا علاقہ اس کا وسط ہے اگر اس درمیانی علاقہ میں چاند نظر آ جائے تو پورے عالم اسلام میں رؤیت تسلیم کی جانی چاہیے۔

اس سے بھی ذرا ہٹ کر غور فرمائیں پورے فضائی ماحول میں چاند وہ واحد کرّہ ہے جس سے متعلق انسانی معلومات آج زمین کے بعد سب سے زیادہ ہیں اس لیے کہ وہاں تو مختلف مہمات کے دوران انسان کے بھیجے ہوئے مشینی آلات سمیت چاند گاڑی اتر چکی ہے۔ لہٰذا اس کی حرکات اور مدار کے لمحے لمحے کی کیفیت کا ہمیں گھر بیٹھے اندازہ ہے اسی لیے ہم سب جانتے ہیں کہ اب سال پہلے (بلکہ آئندہ دس سال کے چاند سورج کے گرہنوں کا شیڈول دیا جاسکتا ہے) چاند گرہن اور سورج گرہن کے اوقات، دورانیہ اور تاریخ سے متعلق اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اس وقت فی الواقع گرہن کے وقت میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔

گویا چاند کی محوری گردش اور سالانہ گردش کی معلومات کے پیش نظر سال بھر کے چاند کے سفر اور کسی خاص مطلع پر اس کے نظر آنے کی پیشگی اطلاع ہوسکتی ہے۔ جیسے سورج کے طلوع و غروب کے سائنسی نظام سے بنے چارٹوں سے ہم لوگ فائدہ حاصل کر کے روزہ رکھتے اور افطار کرتے ہیں اسی طرح اس کے مماثل چاند کے بارے میں معلومات کے تحت رمضان المبارک کے

آغاز واختتام کا فیصلہ نہ خلاف عقل وفطرت اور نہ اَبعد من السنۃ ہے۔

ایک اور نظر سے دیکھیں تو ہمارے قابل احترام علماء کرام اور ماہرین قرآن وسنت نے اس طرح کا ایک اجتہاد پہلے سے کر رکھا ہے اور اسی کا فتویٰ بھی دیا جاتا ہے اور ایسا فتویٰ حالات کا تقاضا بھی ہے اور قرآن وسنت کی صحیح رہنمائی بھی۔ و ھـو ھـذا ــــــ کرّہ ارض کے انتہائی شمالی ممالک اور علاقوں میں 6 ماہ کی رات اور 6 ماہ کا دن ہوتا ہے یا کم وبیش اس طرح کے حالات ہیں ایسی صورت میں صاف ظاہر ہے کہ یا تو علماء کرام یہ فتویٰ دیتے کہ وہاں کے مسلمان سال میں صرف پانچ نمازیں پڑھیں اور روزے بالکل نہ رکھیں، اگر ایسا ہوتا تو یہ شریعت کے ظاہری منشا کے خلاف ہوتا۔ اب علماء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ وہاں کے مسلمان دیگر قریبی مسلمان ممالک کے مطابق گھڑی دیکھ کر 24 گھنٹے میں پانچ نمازیں ادا کریں اور گھڑی دیکھ کر رمضان المبارک کے ماہ میں روزے بھی رکھیں۔ اب دیکھیں یہ صلوٰۃ جیسی عبادت کا سارا نظام سورج کی ظاہری حرکت سے کاٹ کر نظری صورت حال سے جوڑ دیا گیا ہے حالانکہ قرآن مجید میں کتـابًـا مـوقـوتًا کا لفظ آیا ہے اور بصری طور پر سورج نظر آتا بھی ہے 6 ماہ کے دن میں صبح کا مکروہ وقت ہمارے کئی دنوں کے برابر ہوگا، زوال کا وقت بھی ہمارے کئی دنوں کے برابر ہوگا، عصر کے بعد کا وقت بھی ہمارے تقریباً 10 دنوں کے برابر ہوگا (جس میں اس دن کی عصر کے علاوہ کوئی دوسری نماز نہیں پڑھی جاسکتی) تو گویا سورج زوال پر ہے نماز اور سجدہ منع ہے مگر آپ کئی دفعہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر ادا کر رہے ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس طلوع اور غروب کے وقت بھی۔

اگر بصری طور پر دیکھتے ہوئے بھی سورج کے زوال، غروب وطلوع کے ممنوعہ اوقات میں کئی فرض نماز ادا کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے تو چاند کی نظری حرکت کے پیش نظر پاکستان کا کیلنڈر کیوں ترتیب نہیں دیا جاسکتا حالانکہ یہ ایک قابل عمل چیز ہے (عوام کی راہنمائی کے لیے کراچی کے دو معروف دارالعلوموں کے فتاویٰ اس عنوان پر موجود ہیں)۔

سورۃ بقرہ، رکوع 23 میں جہاں روزہ کے احکام وارد ہوئے ہیں (ماہ صیام کا آغاز اور عیدالفطر کے لیے رؤیت ہلال کی سب سے زیادہ اہمیت ہے کہ فیصلہ کرنے میں وقت کم ہوتا ہے)

وہاں اس رکوع سے متّصلاً بعد آیت ہے۔

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَہِلَّۃِ قُلۡ ہِیَ مَوَاقِیۡتُ لِلنَّاسِ وَ الۡحَجِّ (البقرۃ:189)

''(اے محمد ﷺ) لوگ آپ سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہہ دو کہ وہ لوگوں کے (اوقات کے تعین) اور حج کے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے''۔

یعنی چاند کا فی نفسہٖ کوئی قابل احترام شئے ہونا غلط فہمی ہے یہ تو لوگوں کے لیے وقت کی پیمائش کا ایک ذریعہ ہے اور حج (کے معلوم کرنے) کا بھی تو جیسے سال بھر کے لیے طلوع وغروب کے چارٹ مطبوعہ ملتے ہیں اسی طرح چاند سے متعلق سال بھر کا کیلنڈر بن جانا بھی کوئی خلاف عقل وفطرت بات نہیں ہے۔(واللہ اعلم)

انہی علاقوں میں جہاں دن اور رات کی طوالت غیر معمولی ہوتی ہے، چاند کی رؤیت بصری کا معاملہ بھی زیادہ پریشان کن ہے۔ جہاں سورج چھ ماہ نظر آتا ہے وہاں چاند نظر نہیں آسکتا لہٰذا ان چھ ماہ کے دوران روزہ، حج اور قمری مہینہ کی تاریخ کے لیے آپ کو ہزار میل دور کے کسی غیر ملک کی قمری تقویم (نظری تقویم) پر عمل کرنا ہوگا۔

اسی بات کو ایک مختلف زاویہ نگاہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

دن کئی ماہ کا ہو جائے یا رات، چاند نظر آئے یا نہ آئے، درحقیقت بات عام حالات میں معمول کی زمینی گردش میں اپنے محور کے گرد ایک چکر مکمل کرنے کی ہے جس کو عام معروف معنیٰ میں دن (ONE DAY) یا دن رات یا 24 گھنٹے کہا جاتا ہے۔

صحیح مسلم کتاب الفتن میں ایک حدیث میں حضرت نواس بن سمعانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کا تذکرہ فرمایا:

قُلۡنَا یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ وَمَا لُبۡثُہٗ فِی الۡاَرۡضِ قَالَ: اَرۡبَعُوۡنَ یَوۡمًا یَوۡمٌ کَسَنَۃٍ وَ یَوۡمٌ کَشَہۡرٍ وَ یَوۡمٌ کَجُمُعَۃٍ وَسَائِرِ اَیَّامِہٖ کَاَیَّامِکُمۡ قُلۡنَا یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ فَذٰلِکَ الۡیَوۡمُ الَّذِیۡ کَسَنَۃٍ اَتَکۡفِیۡنَا فِیۡہِ صَلٰوۃُ یَوۡمٍ قَالَ لَا! اُقۡدُرُوۡا لَہٗ

قَدُرَهٗ (صحیح مسلم)

''ہم نے دریافت کیا یارسول اللہ! وہ زمین پر کتنی مدت رہے گا؟ آپؐ نے فرمایا: چالیس دن تک، ایک دن ان میں کا ایک سال کے برابر ہوگا۔اور دوسرا ایک مہینے کے، اور تیسرا ایک ہفتہ کے اور باقی دن جیسے یہ تمہارے دن ہیں، (تو ہمارے دونوں کے حساب سے دجال ایک برس دو مہینے چودہ دن تک رہے گا)۔اصحاب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جو دن سال بھر کے برابر ہوگا اس دن ہم کو ایک ہی دن کی نماز کفایت کرے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! تم اندازہ کر لینا اس دن میں بقدر اس کے (یعنی جتنی دیر کے بعد اِن دنوں میں نماز پڑھتے ہو اسی طرح اُس دن بھی اٹکل کر کے پڑھ لینا)۔''

اندازے سے نمازیں ادا کرنا (اور روزے رکھنا) گویا حدیث صحیح سے ثابت ہو گیا (اور غالبًا یہی بنیاد ہے علماء کے اوپر تذکرہ شدہ فتویٰ کی) اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خاص حالات کی بات ہے اور اس خاص کو عام کیسے کیا جا سکتا ہے؟ غور طلب بات یہی ہے کہ اگر معروضی دنیا میں حالات سابقہ ڈگر پر چلتے رہتے اور طبیعات، فلکیات، تحقیق کا معیار وہی صدیوں پرانا انسانی آنکھ کا مشاہدہ ہی ہوتا تو بلاشبہ یہی فتویٰ رہتا جو قرونِ اولیٰ میں رہا اور صدیوں بعد تک قابل عمل رہا۔مگر حالات، معیارِ تحقیق اور وسائل تحقیق نے ترقی کر لی ہے اور اب مشاہدہ کی بنیاد ہے تو انسانی آنکھ کا مشاہدہ، تاہم دوربین اور خوردبین اور دیگر ذرائع مواصلات وائرلیس، ایکسریز، موبائل فونز اور سیٹلائٹس وغیرہ سے اب انسان عام مشاہدہ کی باریک چیز کو ایک لاکھ گنا بڑا کر کے دیکھ سکتا ہے اور کروڑوں نوری سال دور کے کسی سیارے کو قریب کر کے انسانی آنکھ کے لیے قابل مشاہدہ بنا سکتا ہے لہٰذا چاند، سورج اور دیگر اجرامِ فلکی کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ اب پہلے سے کہیں زیادہ گہرائی میں اور صحت اور تعین کے ساتھ کیا جا سکتا ہے صرف ظن وتخمین نہیں۔

حضرات علماء کرام اور ماہرین قرآن وحدیث کے لیے یہ بات بڑی قابل لحاظ ہے کہ ذرائع تحقیق میں اضافہ، علمی مواد کی فراوانی اور کل جہان میں بیک وقت اپنے مطالعہ کی میز پر دستیابی (انٹرنیٹ کے ذریعے) اور وسائل آمد ورفت اور اطلاعات کے طوفان نما انقلاب نے

ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں کہ مسلمانانِ عالم کو ایک بین الاقوامی امت کی طرف پیش رفت کے لیے فکری بنیادیں فراہم کرنا گردوپیش کی ضرورت ہے۔

آج دنیا کو ایک عالمی گاؤں (GLOBAL VILLAGE) کہا جا رہا ہے ملکوں کی حیثیت ایک لحاظ سے گاؤں کے مکانوں سے بھی زیادہ قریب کی ہوتی جاری ہے۔ دو چار کلومیٹر قریب کا واقعہ گھنٹہ دو گھنٹہ بعد عالمی نشریاتی اداروں سے چہار دانگ عالم میں پھیل جاتا ہے۔ اگر چہ دنیا نے یہ ترقی کر کے انسانی وحدت اور ایک عالمی حکومت کا جواز پیدا کر دیا ہے۔ غربی اقوام اور ایک ان دیکھی قوت اس کو اپنے حق میں استعمال کرنے پر گویا تلی ہوئی ہے لیکن یہ دراصل سارا انتظام حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت (قرآن مجید) کی تعلیمات کی ابدیت اور آفاقیت کے اظہار کا موقع میسر آ رہا ہے اور تاریخ کا بہاؤ اور سائنسی ترقی انسانیت کو پیغمبر انقلاب اور محسن انسانیت ﷺ کے لائے ہوئے نظام کے عالمی غلبے کی طرف ہانک رہی ہے اور عفت وعصمت کے ایک روحانی نظام کی طرف لے جانے کا ایک فطری اور عقلی دباؤ ہے جس کے تحت انسان اسی منزل کی جانب پیش قدمی کرنے پر مجبور ہے جسے شعر کی زبان دی ہے ڈاکٹر علامہ اقبال نے

ہر کجا بینی جہاں رنگ و بو
زانکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیٰؐ او را بہا ست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰؐ است

یا جیسے ربّ ذوالجلال نے خود قرآن مجید میں ایک خبریہ انداز میں فرمایا:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (حم السجدہ:53)

''ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے''۔

گویا ایک عالمی اسلامی عوامی (جمہوری) فلاحی ریاست کا انسانی خواب اب پورا ہو کر

رہے گا جو اعلیٰ انسانی اقدار کو سیاسی اور معاشی سطح پر سمو کر مشرق و مغرب کے تمام انسانوں کو اپنے اندر سمیٹ لے گی۔ ان شاء اللہ جہاں تمام نوع انسانی بلا لحاظ رنگ و نسل و مذہب سکھ کا سانس بھی لے گی اور جہاں عدل و انصاف اور شرفِ انسانی کے اعلیٰ اخلاقی و روحانی اقدار کا فروغ بھی ہوگا اور یہ سب نعمتیں ہر انسان کو گھر کی دہلیز پر میسر آئیں گے۔ یقیناً مبارکباد کے لائق ہیں وہ لوگ جو اس اعلیٰ نصب العین کے لیے کوشاں ہیں اور اس کو آج کے ذہنوں میں اتارنے کے لیے کوشش کر رہے ہیں اور یقیناً ایسے لوگوں کا وجود بھی بڑا مبارک ہے جو اس راستے کے کانٹے ہی دور کرنے پر اپنا وقت لگا رہے ہیں اور آنے والوں کے لیے آسانیاں پیدا کر رہے ہیں۔ درحقیقت حضرت محمد ﷺ کی رحمت للعالمینی کی شان دراصل اسی وقت ظاہر ہوگی کہ واقعی ان کا لایا ہوا دین تمام نوعِ انسانی کے لیے کتنے فائدہ اور برکت کا حامل تھا اور ہے۔ جو لوگ آج اس آنے والی تبدیلی کے راستے میں مشکلات پیدا کر رہے ہیں کل وہ بھی اس کی حقانیت کے نہ صرف قائل ہو جائیں گے بلکہ اسی کے گن گا رہے ہوں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں لسان رسالت، لسان حق ترجمان ﷺ سے یوں الفاظ ادا ہوئے ہیں

لَا یَبْقٰی عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ، اِمَّا یُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَیَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ یُذِلُّهُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَهَا۔ قُلْتُ فَیَكُوْنُ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (مسند احمد، عن المقداد)

”روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا خیمہ، جس میں اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بدبخت کو مغلوبیت کے ذریعے یعنی یا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کو (اسلام کی بدولت) عزت عطا فرما دے گا اور انہیں کلمہ اسلام کا قائل و حامل بنا دے گا۔ یا (حالت کفر پر برقرار رہنے کی صورت میں) انہیں مغلوب فرما دے گا کہ وہ اس کے محکوم اور تابع بن کر رہیں گے۔ (حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر) میں نے اپنے دل میں کہا: ”پھر تو واقعتاً دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا“۔

اس آنے والے دور ہی کے لیے ایک بنیادی کڑی اور سفری بیگ وغیرہ کو کھولنے والی

ZIP کی پہلی کڑی کی طرح کا کوئی چھوٹا سا اجتماعی عمل ہوگا جس سے عالم اسلام کے اجتماعی شعور میں ایک خوشگوار اتحاد اور یگانگت کی لہر دوڑ جائے گی اور بعد ازاں پے در پے واقعات اس منزل کی طرف بڑے بڑے اقدامات کا سبب بن کر بالآخر ساری محنت نتیجہ خیز ہو جائے گی۔

(یہ بات قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ سائنسی انکشافات نے بات یہاں تک پہنچا دی ہے اور دو تین سال قبل ہمارے ہاں بھی پریس میں آ چکی ہے کہ مریخ اور زمین چند سال بعد اتنے قریب آ جائیں گے کہ ان کا اپنا اپنا کشش ثقل کا نظام ایک دوسرے سے متاثر ہو جائے گا اور مریخ چونکہ زمین سے کئی گناہ (100 گنا) بڑا ہے لہٰذا زمین کی حرکت محوری کم ہو کر ختم ہو جائے گی پھر زمین کی حرکت محوری اُلٹی ہو جائے گی اور زمین جب مریخ کے اثر سے آزاد ہوگی تو الٹی حرکت دوبارہ کم ہو کر ختم ہوگی اور پھر دوبارہ زمین کی صحیح سابقہ محوری حرکت کا آغاز ہوگا۔ اس طرح کا واقعاتی قِران تقریباً 30000 سال بعد ہوسکتا ہے لہٰذا اس طرح کا گذشتہ قِران معروف تاریخ انسانی سے قبل کا ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس زمین کی اُلٹی محوری گردش میں سورج مغرب سے طلوع ہوتا نظر آئے گا یعنی اس واقعہ میں قربِ قیامت کی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی گویا شامل ہوگا)۔

آخری بات یہ ہے کہ رؤیت بصری کے بجائے رؤیت نظری کا اہتمام اب دورِ حاضر میں جدید فنی ایجادات اور INFORMATION TECNOLOGY کی ترقی کی وجہ سے ضرورت ہی نہیں اُمت مسلمہ کے مصالح کے تحت لازم ہے اور پہلے پاکستان کے لیے ایک رؤیت نظری پر مشتمل کیلنڈر تیار کیا جانا ضروری ہے جس میں اہل علم، ماہرین ہیئت وجغرافیہ اور ماہرین قرآن وسنت شامل ہوں۔ اسلامی نظریاتی کونسل یا شریعت کونسل یا کوئی دیگر خصوصی نوتشکیل شدہ ادارہ کے تحت یہ کام کیا جا سکتا ہے اور یوں قرآن اور حدیث کے مسلمات پر ڈٹے رہنے کے ساتھ ساتھ فرائض کی ادائیگی اور اسلامی تہواروں کے تعین کے لیے عالمی امت اور امت واحدہ کا تصور اجاگر کیا جا سکتا ہے۔

اس مقصد کے لیے آپ غور کیجئے ایک اہتمام خالق کائنات نے پہلے سے ہی کر رکھا

ہے قرآن مجید اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے اور اگرچہ یہ چودہ صدیاں پہلے نازل ہوا تاہم یہ کلام تا قیامت انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ رہے گا اس کے الفاظ میں چودہ صدیاں قبل کے انسانوں کے لیے بھی رہنمائی تھی اور اب بھی ہے اور آئندہ تا قیام قیامت رہے گی اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور متکلم کی طرح زندہ و پائندہ ہونے کی وجہ سے اس کے الفاظ میں وہ معنوی گنجائش موجود ہے جو تمسّک بالقرآن کے ٹھیٹھ تصور کو مجروح کیے بغیر بھی آج کے مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نام سے کون واقف نہیں الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر کے ضمن میں یہ اصول پیش نظر رہنا چاہیے "اَلْاِعْتِبَارُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ" قرآن مجید کے الفاظ کے عموم کا خیال رکھا جانا چاہیے نہ کہ سبب کے اختصاص کا۔

الفاظ کے عمومی معنی کا خیال رکھیں گے تو اسلام میں حرکت (DYNAMISM) اور اجتہاد کا فطری اور لابدی تصور اجاگر ہوگا جبکہ الفاظ کو کسی خاص پس منظر والے معنٰی میں مقید کر دیں گے تو جامدیت اور تحجر کا تصور ابھرے گا اور اسلام کے دین فطرت، آفاقی دین اور ہر دور اور ہر علاقے اور پوری انسانیت کے دین کے تصور کو اجاگر کرنے میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

اسی طرح حدیث کے الفاظ میں اگر متن کے الفاظ میں کوئی معنٰی ایسے نکلتے ہوں جو پہلے قابل عمل نہیں تھے اب لائق اعتناء اور مصالح امت کے لیے ضروری ہیں تو کئی دوسرے مواقع کی طرح رؤیت ہلال کے مسئلے پر اس کا اطلاق وقت کا تقاضا ہے۔

لفظ رؤیت ـــــــ عربی لغت میں دو معنی میں آیا ہے دیکھنا اور غور کرنا جیسے بصر اور بصیرت ظاہری آنکھ سے دیکھنا اور دل کی آنکھ سے دیکھنا۔ اسی لیے قرآن مجید کی آیات میں مختلف جگہ مفسرین کرام نے رؤیت کے لفظ کے اپنے ذوق کے مطابق تراجم کیے ہیں۔

☆ مثال کے طور پر سورۃ الفیل میں اصحاب فیل کا واقعہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ O

''کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ''۔

یہاں لفظ ''لم تر'' رؤیت سے اور ''رائے'' مادہ سے آیا ہے مگر صاف ظاہر ہے یہاں مراد رؤیت

بصری ہو ہی نہیں سکتی یہاں سوچنا، غور کرنا اور دل کی آنکھ سے دیکھنا ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

☆ ایک اور مثال قرآن مجید میں فرعون کے تذکرہ میں ہے۔ اللہ ﷻ فرماتے ہیں

وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ O (الفجر 89)

''اور فرعون 'اوتاد' والا''۔

"وتد" عربی میں بڑی میخ یا PEG کو کہتے ہیں قرآن مجید میں پہاڑوں کو بھی "وتد" کہا گیا ہے

وَالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا O (النبا 78)

''اور پہاڑوں کو اوتاد بنایا۔''

ہمارے متقدمین مفسرین کرام نے ''فرعون میخوں والا'' ترجمہ کیا ہے اگرچہ ''فرعون پہاڑوں والے'' ترجمہ کرتے تو ممکن تھا مگر اس کی تطبیق کہ پہاڑوں سے مراد کیا ہے ایک لاینحل مسئلہ ہوتا اب جبکہ عصر حاضر میں فرعون بادشاہوں کے تعمیر کردہ ''اہرام مصر'' دریافت ہو چکے ہیں جو پہاڑوں ہی کی طرح بڑے بڑے ہیں اور 1902ء میں انہیں اہراموں میں سے فرعونِ موسیٰؑ کی لاش بھی برآمد ہو چکی ہے جو قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

غور فرمائیں! قرآن مجید پہاڑوں کو ''اوتاد'' کہتا ہے اور فرعون کو ''ذی الاوتاد'' کہتا ہے تو دو باتوں کو ملانے سے منطقی نتیجہ ہے ''فرعون پہاڑوں والے'' یعنی وہ فراعنہ مصر جنہوں نے پہاڑوں جیسے اہرام اور مقبرے بنا دیے تھے۔

آج یہ ترجمہ ممکن ہے کہ علوم عصری میں یہ بات واضح ہو چکی ہے اور زبان زد خاص و عام ہے اگرچہ 1902ء سے قبل وہی ترجمہ ممکن تھا جو ہوا یہ ہمارے علوم عصری کی نارسائی تھی ورنہ قرآن مجید کے الفاظ میں، ربّ العالمین کے کلام میں تو یہی حقیقت جھلک رہی تھی جو آج عیاں ہو کر سامنے آ گئی ہے۔

کلامِ الٰہی میں بڑی بڑی حقیقتوں کا سادہ اور چودہ صدیاں قبل مروّجہ الفاظ میں بیان اسی ذات حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے شایانِ شان ہے کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

اسی لفظ "رأی" پر غور فرمایئے اس میں یہ گنجائش فاطر فطرت اور خالق ارض وسماء نے رکھی ہے کہ رؤیت بصری اور رؤیت نظری کے معنی لیے جا سکتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء

کرام اور ماہرین قرآن وسنت اس پر غور فرمائیں۔ ہمارا کام تو جرأت کر کے توجہ دلا دینا ہے فیصلہ تو اہلِ علم ہی کر سکتے ہیں کہ پاکستان بھر کے لیے (یا ہر مسلم ملک کے لیے) ایک کیلنڈر رؤیت نظری کی بنیاد پر ترتیب دیا جائے اگر یہ مرحلہ بآسانی طے ہو جائے تو خود علماء کرام محسوس فرمائیں گے کہ بنگلہ دیش سے لے کر سعودی عرب کے ممالک تک تقریباً ایک ہی کیلنڈر سامنے آئے گا اور پوری دنیا کی سطح پر اُمت میں اتحاد و یگانگت کی راہ نکل جائے گی اور کیا عجب کہ یہی اتحاد و یک رنگی امت مرحومہ لیے مستقبل میں سیاسی، معاشی، معاشرتی، ذہنی اور فکری ہم آہنگی کی صورت اختیار کر لے اور یوں

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

کا دیرینہ خواب پورا ہو سکے۔ اور ـــــ یہ خواب یقیناً حقیقت بن کر رہے گا یہی مقصود فطرت اور منشا ایزدی ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

ان دنوں کراچی میں رؤیت ہلال کے بارے میں سائنسی انداز میں کام ہو رہا ہے۔ لہٰذا اگر تجرباتی طور پر سال بھر کا قمری کیلنڈر جاری کر دیا جائے اور اہل بصیرت اور اہل نظر اس پر گہری نگاہ رکھیں اور عملی طور پر رؤیت ہلال کے ساتھ ملا کر دیکھتے رہیں تو میری ناقص رائے میں تین چار سال کے اندر بہت سارے عملی مسائل کی نشاندہی ہو جائے گی اور باہمی مشاورت اور غور و فکر سے ان کوتاہیوں کو دور کر کے ایک قابل عمل قمری کیلنڈر جاری ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی اگر ہمارے پڑوسی ممالک میں ہو جائے تو جلد یا بدیر یہ ہمارے لیے فکری اتحاد کی بنیاد بن سکتا ہے۔

پانی

(2)

ڈاکٹر محمد سرشار خان
(سابق ڈپٹی ڈائریکٹر ویٹرنری انسٹیٹیوٹ لاہور)

آبی بخارات:

آبی بخارات پانی کی گیسی حالت ہے۔ جب پانی گرم ہوتا ہے تو اس کے سالموں کی حرکت تیز ہوجاتی ہے اور وہ دیگر سالموں سے آزاد ہو کر فضا میں دور دور حرکت کرنے لگتے ہیں۔ سرد ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کے قریب آ کر سالماتی کشش سے دوبارہ جڑ کر پانی کے قطروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ بلندی پر ہوا سرد ہونے کی وجہ سے آبی بخارات بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جہاں وہ بارش کی شکل میں دوبارہ زمین پر آجاتے ہیں۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔آبی بخارات نہ صرف فضا میں بلندی پر پہنچ کر بادل بناتے ہیں بلکہ ان کی نچلی فضا میں موجودگی بھی زمین پر موجود حیوانات ونباتات کی مناسب نشوونما کے لئے ضروری ہے اور کرہَ ارض کے درجہ حرارت کو کنٹرول کرنے میں بھی ان کا بہت کردار ہے۔

سردیوں میں دھوپ والے چمکدار دن کے بعد شام کو جب آسمان بالکل صاف ہو تو زمینی حرارت واپس فضا میں آسمان کی طرف چلی جاتی ہے، سردی بڑھ جاتی ہے بلکہ کہر یا دھند پڑنے کا امکان ہوتا ہے لیکن اگر شام کو آسمان بادلوں سے ڈھک جائے تو یہ حرارت آبی بخارات میں مقید ہو جائے گی اور موسم زیادہ ٹھنڈا نہیں ہوگا۔

صحرائی علاقوں میں بعض جگہ دن کو درجہ حرارت 50C سے بھی بڑھ جاتا ہے جبکہ رات

کو یہ منفی تین سے بھی کم ہو جاتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ صحرا کی فضا میں آبی بخارات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ رات کو صحرا کی گرمی کو جذب نہیں کرتے اور وہ حرارت واپس بالائی فضا میں چلی جاتی ہے اور سخت سردی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا ہوا میں آبی بخارات کی کمی بیشی موسم پر براہِ راست اثر انداز ہوتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کے درجہ حرارت کو آبی بخارات کنٹرول کرتے ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ دنیا کا درجہ حرارت آبی بخارات کو کنٹرول کرتا ہے یعنی اگر گرمی زیادہ پڑے گی تو آبی بخارات زیادہ بنیں گے، اگر آبی بخارات زیادہ بنیں گے تو گرمی زیادہ ہوگی۔ لیکن آبی بخارات زیادہ بنیں گے تو بادل بھی بنیں گے جو سورج کی گرمی کو زمین پر آنے سے روکیں گے یوں درجہ حرارت میں کمی ہوگی لیکن بارش بھی بادلوں سے ہوگی جس سے فضا میں نمی یعنی آبی بخارات زیادہ ہوں گے اس طرح وہ گرمی کو ضائع ہونے سے روکیں گے۔ اس کے علاوہ زمینی درجہ حرارت کو کاربن ڈائی آکسائیڈ، اوزون اور چند دوسری گیسیں بھی جذب کر لیتی ہیں۔ انسان کا پیدا کردہ صنعتی دھواں بھی زمینی درجہ حرارت کے بڑھنے کی ایک وجہ ہے۔ یہ ایک پیچیدہ نظام ہے جسے چلانے والی ہستی جب تک چاہے گی اسے قائم رکھے گی۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں اور حکمتیں ایسی ہیں کہ ہمیں ان کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر ہوا میں نمی کی مقدار بہت کم ہو تو ہماری جلد، ہونٹ اور بال وغیرہ بالکل خشک رہیں گے، گلے اور ناک میں خراش ہوگی اور سانس لینے میں دشواری پیش آئے گی، جسم پر خارش ہوگی، آنکھوں کو تر رکھنے کے لئے بار بار جھپکنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ پھلوں پھولوں کی تازگی بہت کم عرصے تک برقرار رہے گی۔ اس طرح ہوا میں نمی کی مقدار بڑھنے سے حبس اور گھٹن پیدا ہوتی ہے جسم پر چپچپاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ پسینہ نہ اڑنے کی وجہ سے بیحد گرمی محسوس ہوتی ہے۔

بادل:

ہماری زمین کا کم از کم آدھا حصہ ہر وقت بادلوں کی چھاؤں میں رہتا ہے۔ بادل زمین کو مطلوب سورج کی روشنی سے زائد روشنی اور حرارت کو واپس آسمان میں منعکس کر دیتے ہیں۔ یوں زمین کا درجہ حرارت مناسب حد میں رہتا ہے۔ بادلوں کے بغیر بارش، گرج چمک، برف باری یا قوسِ قزح کا تصور محال ہے۔ بادل سورج کی شعاعوں کی بنا پر خوبصورت رنگ اور

مناظر آسمان پر بکھیرتے ہیں۔ بادل نہ ہوتے تو ہر وقت نیلا آسمان دیکھ دیکھ کر انسان اکتا جاتا بلکہ گرد و غبار کی زیادتی کی وجہ سے دن کو نہ نیلگوں آسمان نظر آتا نہ رات کو ستاروں سے سجا خوبصورت آسمان دکھائی دیتا۔

بادل کیسے بنتے ہیں:

جب ہم اوپر نگاہ اٹھاتے ہیں تو بظاہر ہمیں نیلے آسمان کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا جبکہ حقیقتاً ہوائی گیسوں کے علاوہ ہماری فضا اربوں کھربوں ٹھوس خاکی ذرات اور بخارات اور پانی کے مہین قطرات سے بھری پڑی ہے خشکی اور سمندر سے کروڑوں ٹن پانی سورج کی حرارت سے بخارات میں تبدیل ہو جاتا ہے اور گرم ہوائیں انہیں آبی بخارات کی شکل میں اٹھائے لئے پھرتی ہیں۔ جب یہ ہوائیں فضا میں ایک خاص بلندی پر پہنچ کر ٹھنڈی ہو جاتی ہیں تو یہ آبی بخارات بادلوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ مزید ٹھنڈا ہونے پر پانی کے یہ مہین قطرے کسی خاکی ذرے کے ساتھ جڑ جاتے ہیں اور اس کے ساتھ مزید آبی قطرے مل کر اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ ہوا یا بادل ان کا بوجھ نہیں سہار سکتا اور یہ قطروں کی شکل میں بارش بن کر زمین پر گرنے لگتے ہیں۔ آیئے ہم قرآنِ حکیم کی روشنی میں بادلوں اور بارش کے عمل کا جائزہ لیتے ہیں۔

سورۃ الذاریات 51: آیت 1 تا 4

> ’’قسم ہے ان ہواؤں کی جو گرد اُڑانے والی ہیں پھر پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھانے والی ہیں پھر سبک رفتاری کے ساتھ چلنے والی ہیں پھر ایک بڑے کام (بارش) کی تقسیم کرنے والی ہیں‘‘۔

یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہواؤں کا ذکر فرما رہے ہیں۔ الذاریات سے مراد پراگندہ کرنے والی اور گرد و غبار اڑانے والی ہوائیں ہیں۔ بارش کے ترتیب وار مراحل کے سلسلے میں ان ہواؤں کے پہلے نمبر پر ذکر میں بھی ایک حکمت پوشیدہ ہے۔ ہماری فضا میں خاکی ذرات مناسب مقدار میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ان ہواؤں کے ذریعے ہر سال تقریباً 2 ارب ٹن گرد و غبار یا خاکی ذرات فضا میں شامل ہوتے ہیں اور بارش کے ذریعے واپس زمین پر آتے ہیں۔ بظاہر یہ عمل فضائی آلودگی لگتا ہے لیکن اس میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔ مثلاً سورج کی شعاعوں سے حرارت صرف

خاکی ذرات ہی جذب کرسکتے ہیں۔خالص ہوامیں سے سورج کی روشنی گذرنے سے ہواگرم نہیں ہوتی گویا ہواخاکی ذرات کے گرم ہونے سے گرم ہوتی ہے۔ چونکہ گرم ہواہی بخارات بننے کے عمل میں مدد دیتی ہے اوروہ ہی ان بخارات کواٹھا کرہلکی ہونے کی وجہ سے بالائی فضامیں پہنچ جاتی ہے۔اس لئے ان ذرات کا وجود ضروری ہے۔

ایک اہم کام ان خاکی ذرات (گردوغبار) کا یہ ہے کہ بادلوں میں ان ذرات کے ذریعے ہی آبی بخارات (جومہین قطروں کی شکل میں ہوتے ہیں ان کا سائز 100/1 ملی میٹر کے برابر ہوتا ہے) جڑ کر بارش کے قطرے بن کر زمین پر ٹپک سکتے ہیں۔ گویا بارش کے ہرقطرے میں ایک خاکی ذرہ ضرور ہوتا ہے۔ یہ خاکی ذرے جنہیں بارش کے بیج بھی کہا جاتا ہے۔ بادل کے آبی قطروں سے بھی سوگنا کم سائز کے ہوسکتے ہیں جن کے اوپر یہ آبی قطرے چمٹ جاتے ہیں۔ اصل میں پانی کوایک غیرگیسی شے چاہئے جس سے لگ کر وہ بخارات مائع شکل میں آسکیں۔ یہ گردوغبار بالائی فضامیں بارشوں یادیگروجوہات کی بناپر کم ہوجائے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بھی شہابیوں کے ذریعے بھی ان کا بندوبست کردیتا ہے۔

شہابیے:

یہ خلامیں آوارہ گھومنے والے بہت چھوٹے سیارے یا پتھر کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ یہ جب ہماری زمین کے بہت قریب سے گذرتے ہیں توزمین کی کشش انہیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ یہ اتنی تیزی سے زمین کی طرف سفر کرتے ہیں (بندوق کی گولی سے سوگنا زیادہ) کہ ہوا کی رگڑ سے جل اٹھتے ہیں۔ان کا درجہ حرارت 10 ہزار سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ پگھل کر بخارات بن جاتے ہیں اور ٹھنڈے ہوکر ہوامیں ہی گردوغبار میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اگران شہابیوں کی رفتار کم ہوتی یا ہماری فضامیں ہوا کی مخصوص موٹی تہہ اور کثافت نہ ہوتی تو یہ فضا میں تباہ نہ ہوسکتے نتیجتاً ہم پر دن رات پتھر برستے رہتے۔اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے زمین کو ان سے بچانے کے کئی بندوبست کررکھے ہیں۔ یہ مقام شکروثنا ہے۔

سورۃ الملک: آیت 17

”تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھے بیٹھے ہومگر اللہ تعالیٰ آسمانی بلندیوں سے تم پر پتھر برسانا

شروع کردے تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے عذاب کی یہ بھی ایک صورت ہے‘‘

اب بھی اللہ تعالیٰ جب چاہے بارانِ رحمت کو اولوں میں بدل کر عبرت وتباہی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔اسی طرح شہابیوں کی زمین پر بارش بھی اللہ کے نزدیک معمولی کام ہے لیکن اس زمین کی حفاظت اور انتظام وانصرام ایک مخصوص مدت کے لئے ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے وہ جس وقت چاہے گا ساری کائنات کا نظام تلپٹ ہو جائے گا۔

ہم واپس سورہ الذاریات کی آیت نمبر 2 کی طرف آتے ہیں: فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا (بھاری بوجھ اٹھانے والی)اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو سطح زمین اور سمندروں سے کروڑوں اربوں گیلن پانی کے بخارات اُٹھا لیتی ہیں اور بلندی پر جا کر یہ بخارات بادلوں کی شکل میں ڈھل جاتے ہیں۔

آیت نمبر 3: فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا (پھر چلنے لگتی ہیں آہستہ) سطح زمین کے قریب یہ ہوا گرم اور ہلکی ہوتی ہے آبی بخارات اٹھا کر جب یہ اوپر اٹھتی ہے تو بادلوں کی شکل اختیار کر کے بھاری ہو جاتی ہے اور اس کی رفتار آہستہ ہو جاتی ہے۔

آیت نمبر 4: فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا (پھر ان (ہواؤں) کی قسم جو معاملات کو تقسیم کرنے والی ہیں) یعنی یہ ہوائیں بادلوں کو لے کر چلتی ہیں اور حکم الٰہی کے مطابق زمین پر بارش برساتی ہیں۔گویا جب بادل برستے ہیں ان کا پانی مردہ زمین میں رزق کا سامان پیدا کر کے انہیں مخلوقات میں تقسیم کرتا ہے۔اس کے بعد توجہ اس طرف دلائی گئی ہے کہ جو خدا ایسے زبردست نظام کے ذریعے پانی کو نئی زندگی کا ذریعہ بناتا ہے وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ مردہ انسانوں کو دوبارہ زندگی عطا فرمائے۔

درج بالا آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بارش برسنے کے عمل کے ترتیب وار مراحل بیان فرمائے ہیں۔

اسی طرح سورۃ النور (24) کی آیت نمبر 43 ملاخطہ فرمائیں

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزۡجِیۡ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیۡنَہٗ ثُمَّ یَجۡعَلُہٗ رُکَامًا فَتَرَی الۡوَدۡقَ
یَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِہٖ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِیۡہَا مِنۡ بَرَدٍ فَیُصِیۡبُ بِہٖ
مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَصۡرِفُہٗ عَنۡ مَّنۡ یَّشَآءُ یَکَادُ سَنَا بَرۡقِہٖ یَذۡہَبُ بِالۡاَبۡصَارِ O

ترجمہ: ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا پھر اس کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر اسے تہہ بہ تہہ بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان خالی جگہوں سے بارش نکل کر برستی ہے اور وہ اسی آسمان (فضا) میں پہاڑوں کی طرح دکھائی دینے والے بادلوں سے اولے برساتا ہے۔ پھر جس پر چاہتا ہے ان اولوں کو گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے (مزید یہ کہ انہی بادلوں سے بجلی بھی پیدا کرتا ہے) یوں لگتا ہے کہ اس (بادل) کی بجلی کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر کے ان کی بینائی لے جائے گی''۔

یُزۡجِیۡ سَحَابًا۔ یزجی کے معنی ہیں آہستہ آہستہ ہانکنا، برچھی سے ہانکنا۔ سیر ہونا۔ یعنی اللہ بادل کو پانی سے سیر کر کے آہستہ آہستہ چلاتا ہے۔

یُؤَلِّفُ بَیۡنَہٗ۔ الفت باہمی کشش کو کہتے ہیں۔ یعنی بادل کے باریک آبی ذرات آپس میں مل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں آپس میں جوڑ دیتے ہیں۔

رُکَامًا: انبار لگانا، پیوست کر کے مختصر کر دینا، کثیف ہونا یعنی باہمی کشش سے یہ آبی ذرات مل مل کر اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ بارش کے قطرے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور زمین پر گر جاتے ہیں۔

ودق: رس رس کر نکلنا، پلپلا ہونا۔ ظاہر ہے کہ بارش کی بوندیں بادل سے رس رس کر نکلتی ہیں۔ پانی بڑی بڑی دھاروں یا کسی اور شکل میں زمین پر نہیں آتا ورنہ ہر چیز تباہ ہو جاتی۔

وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِیۡهَا مِنۡ بَرَدٍ .... ''اور فضا میں جو (بادلوں کے) پہاڑ بنے ہوتے ہیں اس سے اولے برساتا ہے''۔

اس آیت کی اپنے وقت اور علم کے حساب سے کئی تفاسیر بیان ہوئی ہیں۔ جدید تحقیق اور علم کے مطابق بادلوں کو بلندی، حجم اور بارش کی مقدار وغیرہ کے حساب سے مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک قسم کے بادلوں کا نام Cumulonimbus Clouds ہے۔ یہ سب سے بڑے اور اونچے شدید بارش اور طوفان والے بادل ہوتے ہیں جو اپنے ساتھ اولے اور گرج چمک بھی لاتے ہیں۔ یہ گہرے طوفانی بادل اوپر کو اُٹھنے والی طاقت ور ہوا کی وجہ سے سیدھے آسمان میں پہاڑوں کی طرح بن جاتے ہیں اور ان کی اونچائی 7 کلومیٹر سے 12 کلو

میٹر تک ہوتی ہے۔بعض دفعہ بالائی فضا میں 21 کلومیٹر تک بھی بلند پائے گئے ہیں۔اولے انہی بادلوں میں تشکیل پا کر زمین پر گرتے ہیں۔

اولے:

اگر برف باری والے ہلکے ٹکڑے زمین پر اترتے وقت ایسے بادلوں سے گزریں جن میں شدید سرد مائع پانی کے ذرات ہوں تو وہ ان برفانی ٹکڑوں کے اوپر جم کر برف کی ایک نئی تہہ چڑھا دیتے ہیں جس سے وہ بھاری ہو کر اولوں کی شکل میں زمین پر گرتے ہیں۔بعض اوقات طوفانی بارشوں میں ایسے حالات میں اوپر بلندی کی طرف اٹھنے والی تیز ہوائیں ان اولوں کو دوبارہ بلندی پر لے جاتی ہیں اور زمین پر واپس آتے ہوئے اس عمل سے گزر کر ان اولوں کا سائز مزید بڑھ جاتا ہے۔ایسا کئی بار ہوسکتا ہے بالآخر وہ مزید وزنی ہو کر زمین پر گر کر تباہی پھیلاتے ہیں۔ (بڑے اولوں کو غور سے دیکھنے پر آپ کو یہ تہیں نظر آ جائیں گی)۔

آسمانی بجلی:

بجلی کا کوندا دراصل ایک برقی اخراج ہے جو طوفانی بادلوں اور زمین کے درمیان یا بادلوں کے اپنے درمیان برق سکونی کے فرق یا غیر متوازن ہونے سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ طوفان کی صورت میں بادلوں میں موجود آبی ذرے اور برف و بارش کے قطرے باہم رگڑ کھانے سے برقائے جاتے ہیں اور عموماً بادلوں کی نچلی طرف منفی بار جمع ہو جاتا ہے۔اسی طرح کا نظر نہ آنے والا بادل کا سایہ بادل کے نیچے والی زمین پر بھی چھا جاتا ہے جس پر اس کے الٹ یعنی مثبت بار ہوتا ہے۔جب یہ دونوں بار زیادہ نزدیک آجاتے ہیں تو کسی اونچی عمارت درخت یا بعض اوقات ہموار زمین پر ہی یہ آپس میں مل کر زوردار چمک اور کڑک پیدا کرتے ہیں۔بجلی کا یہ کوندا بے پناہ حرارت پیدا کرتا ہے جو سورج کی سطح کے درجہ حرارت سے چار پانچ گنا زیادہ ہوتی ہے۔اس حرارت سے اردگرد کی ہوا اتنے زور سے پھیلتی اور تھرتھراتی ہے کہ زبردست چمک اور گرج کی آواز پیدا ہوتی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے سورۃ الرعد (13) آیت نمبر 13-12

’’وہی ہے جو تمہیں (کبھی) ڈرانے اور (کبھی) امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور (کبھی) بھاری گھنے بادلوں کو اٹھاتا ہے۔ بجلی کی گرج اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور وہ (کفار قدرت کی ان نشانیوں کے باوجود) اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اور وہ سخت تدبیر و گرفت کرنے والا ہے‘‘۔

بجلی کی کڑک کی حکمتیں:

آسمانی بجلی کے خطرناک دل دہلا دینے اور آنکھوں کو چندھیا دینے والے مناظر سے تو ہم سب واقف ہیں مگر بادلوں کی کڑک میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں ہیں جنہیں وہی بہتر جاننے والا ہے۔ تاہم انسانی علم میں آنے والی چند باتوں کا ذکر درج ذیل ہے:

ہماری زمین پر ہر وقت ایک برقی چارج رہتا ہے جو فضا کی نچلی طرف اور زمین کی اوپری سطح کے درمیان ہواؤں کے تیز چلنے اور دیگر وجوہات کی بنا پر پیدا ہوجاتا ہے۔ فضا اور زمین کے مابین برقی چارج کو ہمہ وقت متوازن رہنا چاہئے ورنہ زمین پر نظامِ زندگی درہم برہم ہوجائے۔ آسمانی بجلی اس فالتو یا غیر متوازن چارج کو زمین میں بھیج کر زمین کو زندگی کے قابل بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ آسمانی بجلی اگر زمین کے کسی نہ کسی حصے پر نہ گرتی رہے تو محض پانچ منٹ میں نظام زندگی میں اس برقی چارج کے مضر اثرات شروع ہوجائیں گے۔ یاد رہے کہ ہماری زمین کا تقریباً نصف حصہ ہر وقت بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے اور آسمانی بجلی ایک دن میں 70-80 لاکھ مرتبہ زمین سے ٹکراتی ہے۔ آسمانی بجلی زمین پر اگنے والے نباتات کو کھاد بھی فراہم کرتی ہے۔ ہماری فضا میں تقریباً 78 فیصد نائٹروجن گیس ہوتی ہے لیکن پودے اسے براہِ راست اپنی نشو و نما کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ آسمانی بجلی اس نائٹروجن کو ایک تیزابی گیس میں بدل دیتی ہے جو بارش کے پانی میں حل ہوکر پودوں کے لئے قابلِ استعمال کھاد میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

اس کے علاوہ آسمانی بجلی کی وجہ سے فضا میں اوزون گیس بنتی ہے جو فضا میں ایک حفاظتی چادر بناتی ہے جس کی وجہ سے زمین سورج سے آنے والی ان خطرناک الٹراوائلٹ شعاعوں سے

محفوظ رہتی ہے جو زندگی کے لئے نہایت مضر ہیں۔

پانی کا چکر(Water Cycle):

خشکی اور سطح سمندر سے پانی آبی بخارات کی شکل میں فضا میں جا کر دوبارہ بارش / برفباری وغیرہ کی صورت میں زمین پر واپس آتا ہے اور دریاؤں، جھیلوں اور چشموں وغیرہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بارش کا پانی زیرِ زمین بھی جاتا ہے وہاں سے چشموں کے علاوہ انسان کنوؤں اور دیگر مشینی ذرائع سے اسے باہر نکال کر اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ سطح زمین سے یہ پھر آبی بخارات میں تبدیل ہو کر بارش کی شکل میں زمین پر آجاتا ہے اور یہ چکر یونہی چلتا رہتا ہے سولہویں صدی عیسوی میں پہلی دفعہ واٹر سائیکل پر سائنسی انداز میں بات ہوئی اس سے قبل یونانیوں اور اہل یورپ کا یہ خیال تھا کہ سمندر کے پانی کے دباؤ اور ہواؤں کے زور سے سمندر کا پانی زیر زمین راستوں سے خشکی کے اندر دور تک چلا جاتا ہے۔ جہاں بڑی بڑی جھیلوں کی شکل میں زیر زمین موجود رہتا ہے لیکن واٹر سائیکل اور زیرِ زمین پانی کے متعلق جدید تحقیق وہی کچھ بتاتی ہے جو قرآن حکیم نے 1400 سال پہلے ہمیں بتایا تھا۔

سورۃ الزمر آیت نمبر 21

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيعَ فِى الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا ......

’’کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین کے سوتوں میں پہنچاتا ہے پھر اس کے ذریعے کھیتی پیدا کرتا ہے......‘‘(ترجمہ: مولانا جوناگڑھی)

’’کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے پھر زمین میں بہا کر اس پانی کو آگے چلا دیتا ہے............‘‘(ترجمہ: مولانا نور الامین اصلاحی)

’’کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر اُسے زمین کے سوتوں میں پرو دیا............‘‘ (ترجمہ: مفتی تقی عثمانی)

’’کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو سوتوں چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا............‘‘(ترجمہ: مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

بہرحال اصل الفاظ فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ میں جو معانی پوشیدہ ہیں کوئی ترجمہ اس کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ ماہرین ارضیات اسے بہتر سمجھتے ہیں۔

سورۂ مومنون آیت نمبر 17-16۔ ''اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا ماپ کر پھر اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہماری قدرت میں ہے کہ ہم اس کو لے جانا چاہیں تو لے جائیں''۔

سورۃ الملک آیت نمبر 30 ''آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے (پینے کا) پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے نتھرا ہوا پانی لائے؟''

(یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بارش کا پانی بلکہ جراثیم آلودہ گندہ پانی بھی زمین میں گہرائی تک جاتا ہے تو مٹی کے ذرات اور مفید جراثیم اسے تمام آلودگیوں سے پاک کر دیتے ہیں)۔

سورۃ الواقعہ آیت نمبر 70۔ ''اگر ہماری منشا ہو تو ہم اسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری شکرگزاری کیوں نہیں کرتے؟''

کیا ہم اللہ کی بنائی ہوئی کائنات میں غور و فکر کر کے اللہ کے شکرگزار بندے نہیں بنیں گے؟

لمحہ فکریہ :

قرآن حکیم میں ساڑھے سات سو سے زاید آیات میں اللہ تبارک تعالیٰ نے صحیفہ کائنات پر بکھری ہوئی اَن گنت آیات یعنی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان میں غور و فکر اور تدبر کا حکم دیا ہے۔ خدائے ذوالجلال والاکرام کی عظمت و کبریائی اور اس کی معرفت حاصل کرنے کا اس سے بڑھ کر انسان کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں کائنات میں غور و فکر پر بہت زور دیا گیا ہے۔ کیا ہم مسلمان ان قرآنی احکامات پر عمل کر رہے ہیں؟ فرمان الٰہی ہے کہ جو لوگ کچھ قرآنی آیات پر عمل کرتے ہیں اور کچھ کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے لئے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی جہنم کا عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور صحیح معنوں میں قرآن فہمی کا شعور عطا فرمائے۔ آمین (ختم شد)

حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر

6

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

کی کتاب 'حکمت اقبال' سے ایک باب

اقبال کا مخصوص نفسیاتی ماحول

اقبال کے مخصوص نفسیاتی ماحول نے ممکن بنایا ہے کہ وہ اپنے فلسفہ کی بنیاد حقیقت کائنات کے صحیح تصور پر رکھے اس نفسیاتی ماحول میں اس کا مسلمان ہونا اور پھر مسلمانوں میں بھی تصوف، زہد اور ریاضت کا ذوق رکھنے والے ایک خاندان کا فرد ہونا، اربابِ نظر اور اہل دل بزرگوں کی صحبت سے شغف رکھنا اور اس کی جستجو کرنا حتیٰ کہ اس کے حصول کے لیے کسی موقع کو نظر انداز نہ کرنا، اس سے متواتر مستفید ہوتے رہنا، عربی اور فارسی کے علوم اور اسلام کے علماء اور حکماء اور صوفیاء کی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق رکھنا ایسے عناصر شامل ہیں۔ اس ماحول نے اسے نبوت کے عطا کیے ہوئے صحیح تصورِ کائنات کے وجدان سے آشنا ہی نہیں کیا بلکہ اس تصور کے حسن و جمال کے ایک طاقت ور قلبی احساس یا عشق کو بھی پروان چڑھایا ہے۔

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

یہی سبب ہے کہ وہ کہتا ہے:

مے نہ روید غم دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندان دل

اقبال بنیادی طور پر ایک صوفی یا درویش ہے شاعر یا فلسفی نہیں

افسوس ہے کہ اقبال کے غیر مبہم الفاظ میں بار بار کہنے کے باوجود ہم بالعموم اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ گو اقبال ایک شاعر بھی ہے اور ایک فلسفی بھی تاہم بنیادی طور پر وہ نہ فلسفی ہے اور نہ شاعر بلکہ ایک درویش یا صوفی ہے، اس کا شاعرانہ کمال اور اس کا حکیمانہ جوہر دونوں اس کے وجدان یا عشق کے خدمت گزار ہیں۔ اس کی ساری ذہنی کاوشوں کا حاصل یہ ہے کہ اس نے فلسفہ کی معروف اور دورِ حاضر کے انسان کے لیے قابل فہم زبان میں اپنے روحانی تجربہ یا عشق کی ترجمانی کی ہے اور اس عمل کے دوران میں جو فلسفیانہ افکار و تصورات اس کے ہاتھ لگے ہیں ان کو شعر کے زوردار اور پر اثر طرز بیان کا جامہ پہنایا ہے۔ دوسرے شاعروں کی طرح محبت مجاز کی داستانوں اور غزلوں سے سننے والوں کا دل لبھانا اس کا مدعا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شاعر کے لقب کو جو بعض وقت اس کے نادان دوست اس پر چسپاں کرتے ہیں، بڑے زور سے ردّ کرتا ہے:

ے نہ پنداری کہ من بے بادہ مستم
مثالِ شاعراں افسانہ بستم

ے مدار امید زاں مردِ فرو دست
کہ بر من تہمت شعر و سخن بست

☆☆☆☆

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطارے می کشم ناقۂ بے زمام را

او حدیث دلبری خواہد ز من — رنگ و آب شاعری خواہد ز من
کم نظر بے تابئ جانم ندید — آشکارم دید و پنہانم نہ دید

اقبال مولانا سلیمان ندوی کو اپنے ایک خط مورخہ 14/ اگست 1913ء میں لکھتے ہیں:

”میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا۔ فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات اور روایات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے:

ے نہ بینی خیر ازاں مرد فرو دست
کہ بر من تہمت شعر و سخن بست‘‘

اسی طرح اپنے ایک خط مؤرخہ 27 ستمبر 1913ء میں خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ہیں:

’’آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے آپ کو شاعر تصور نہیں کرتا اور نہ کبھی بحیثیت فن کے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ پھر میرا کیا حق ہے کہ میں صف شعرا میں بیٹھوں‘‘۔

اوپر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح سے اقبال اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ تمام ایسے فلسفے جو خدا کی محبت یا بالفاظ دیگر حقیقت کائنات کے صحیح تصور سے عاری ہوں اور لہٰذا حقیقت کے غلط یا ناقص تصورات پر مبنی ہوں بے ہودہ اور بیکار ہیں اگر اقبال خود خدا کی محبت سے بہرہ ور نہ ہوتا تو ممکن نہیں تھا کہ وہ کبھی اس قیمتی حکیمانہ نتیجے پر پہنچ سکتا ہے اور یہ ہمارا قیاس ہی نہیں بلکہ خود اقبال کا دعویٰ بھی ہے کہ اسے روحانیت کا ایک درجہ اور معرفت حق تعالیٰ کا ایک مقام عطا کیا گیا ہے اس درجہ معرفت اور مقامِ محبت کو وہ افروزش سینہ، سوز دروں، ذوقِ نگاہ، بادہ ناب وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتا ہے اور اپنے لیے درویش، فقیر، قلندر ایسے اَلقاب استعمال کرتا ہے جو صوفیا کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں:

ے خرد افزود و مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

☆☆☆☆

ے درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی نہ صفاہان نہ سمرقند

☆☆☆☆

ے سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید نہ آید

☆☆☆☆

ے قلندر جز دو حرف لا اِلٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا

ے اے پسر ذوقِ نگاہ از من بگیر
سوختن در لا الٰہ از من بگیر

☆☆☆☆

ے مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادہ ناب
نہ مدرسہ میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

از تب و تابم نصیب خود بگیر بعد من ناید چو من مرد فقیر

ے عصر حاضر را خرد زنجیر پاست
جان بیتابے کہ من دارم کجاست

☆☆☆☆

ے اعجمی مردے چہ خوش شعرے سرود
سوزد از تاثیر او جان در وجود

جوہرانسانی کے اوصاف وخواص

جہاں اقبال کے نفسیاتی ماحول نے اُسے خدا کی محبت سے بہرہ ور کیا ہے وہاں اس کے جدید علمی ماحول نے اسے اس قابل بنایا ہے کہ انسان کے انفرادی اور اجتماعی افعال واعمال کے متعلق اپنے ان نظریات اور معتقدات کی علمی اور عقلی بنیادوں کو معلوم کر سکے جو اسے قرآن سے دستیاب ہوئے ہیں۔ اس علمی ماحول کی وجہ سے اس پر یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ یہ نظریات اور معتقدات جوہر انسانی کے قدرتی اوصاف وخواص پر مبنی ہیں۔ وہ جوہر انسانی کو خودی کی حکیمانہ اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے اور ایک سائنس دان کی طرح روزمرہ کے مشاہدات کی روشنی میں اس کے عملی اثرات ونتائج کا جائزہ لیتا ہے اور ان کی روشنی میں اس کے قدرتی اور ازلی اور ابدی اوصاف وخواص کی تشریح کرتا ہے۔ یہ محض اتفاق کی بات ہے اور یہ اتفاق علمی اور عقلی نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کی صداقت کی دلیل ہے کہ یہ اوصاف وخواص قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں یہی وجہ ہے کہ اقبال کا فلسفہ خودی ایک طرف سے انسان کی سائنس ہے اور دوسری طرف سے قرآنِ حکیم کی تفسیر ہے جس طرح سے ہم کارل مارکس کے فلسفہ کو اس تصور سے الگ نہیں کر سکتے

کہ کائنات کی حقیقت مادہ ہے اس طرح سے ہم اقبال کے فلسفہ کو اس تصور سے الگ نہیں کر سکتے کہ کائنات کی حقیقت خدا ہے۔ خدا کی ان صفات کے ساتھ جو نبوتِ کاملہ کی تعلیمات میں بیان کی گئی ہیں۔ اقبال کی حکمت میں خدا کا اسلامی تصور جو اسے اس مخصوص نفسیاتی ماحول سے ملا تھا محض ایک عقیدہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسی علمی حقیقت کے طور پر پیش ہوا ہے جو انسانی جوہر کے اوصاف وخواص سے ایک ناگریز نتیجہ کے طور پر اخذ ہوتی ہے اور جس کے ڈانڈے تمام دوسرے علمی اور عقلی تصورات یعنی طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات کے حقائق سے جا ملتے ہیں نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اقبال کے ہاں حقیقت انسان کا مسئلہ فقط وحی کی روشنی میں ہی نہیں بلکہ جدید علمی حقائق کی روشنی میں اور جدید طرز استدلال کی مدد سے حل ہوا ہے۔ اقبال کی حکمت میں یہ بات پہلی دفعہ آشکارا ہوئی ہے کہ خدا کا تصور تمام علمی حقائق کے ساتھ اور انسان کی زندگی کے تمام ضروری شعبوں کے ساتھ کیا علمی اور عقلی مناسبت رکھتا ہے اور اس تصور کی یہ مخفی استعداد کہ صرف وہی کائنات کے تمام موجودہ اور آئندہ حقائق کی معقول تشریح اور مکمل تنظیم کر سکتا ہے، علمی تحقیق وتجسّس کے دائرہ میں آ گئی ہے اور یہ مذہب اور علم دونوں کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

مذہب ایک سائنس کب بنتا ہے

مذہب انسان وکائنات کے متعلق کچھ معتقدات کو ضروری سمجھتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ معتقدات کون سے ہیں اور کیوں ضروری ہیں اور کون سے اور کیسے اعمال کا تقاضا کرتے ہیں۔ مذہبی معتقدات کے لیے جس حد تک کہ وہ صرف مذہبی معتقدات ہیں یہ ضروری نہیں کہ علمی حقائق کے ساتھ مطابقت بھی رکھیں یا علمی اور عقلی معیاروں کی رُو سے درست بھی ثابت ہو سکیں۔ سائنس بھی حقیقت انسان وکائنات کے متعلق کچھ معتقدات پیش کرتی ہے اور ہم جان لیتے ہیں کہ یہ معتقدات ہماری زندگی کے مقاصد کے پیش نظر کون سے اور کیسے اعمال کا تقاضا کرتے ہیں لیکن سائنس کے معتقدات اشیاء کے قدرتی اوصاف وخواص پر مبنی ہوتے ہیں اور تجربات اور مشاہدات سے معلوم کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ علمی حقائق کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور علمی اور عقلی معیاروں کے مطابق درست تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اگر کسی وقت اشیاء کے اوصاف اور خواص کے علم کی ترقی کی وجہ سے کسی مذہب پر ایک دور ایسا آ جائے گا کہ اس کے معتقدات بھی اشیاء کے قدرتی اوصاف اور خواص پر مبنی

ہو جائیں تو پھر وہ مذہب سائنس بن جاتا ہے اور اس میں اور سائنس میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔
اقبال پہلا مسلمان فلسفی ہے جس نے بتایا کہ مذہبِ اسلام کے معتقدات ایک خاص چیز کے قدرتی اوصاف وخواص پر مبنی ہیں جن کے علم کی طرف انسانی زندگی کے وہ حقائق جو مشاہدات پر مبنی ہیں راہ نمائی کرتے ہیں اور وہ چیز انسانی اَنا یا خودی ہے لہٰذا اقبال کے فلسفہ میں مذہب اسلام ایک سائنس کی صورت اختیار کر گیا ہے اور یہی اقبال کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ اسلام کا یہ قدم جو آگے کو اُٹھ چکا ہے اب واپس نہیں آ سکتا بلکہ اسی سمت میں اس سے بھی اگلے قدموں کی طرف راہ نمائی کرے گا۔ اب آئندہ جو بھی حقائق علمی دریافت ہوتے جائیں گے اسلام کی سائنس کے عناصر بنتے جائیں گے۔ اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی کہ اسلام کو ایک نظامِ افکار کی شکل دینے کے لیے تصوف کے ان مفروضات کا سہارا لیا جائے جو قرونِ وسطیٰ کے صوفیوں نے ایجاد کیے تھے اور جنہیں اب تک حکمت اسلام کے عناصر خیال کیا جاتا رہا ہے۔ اقبال خود لکھتے ہیں:

> ''اب اسلام قرونِ وسطیٰ کے اس تصوف کی تجدید کو روا نہ رکھے گا جس نے اس کے پیروؤں کے صحیح رجحانات کو کچل کر ایک مبہم تفکر کی طرف اس کا رُخ پھیر دیا ہے اس تصوف نے گزشتہ چند صدیوں میں مسلمانوں کے بہترین دماغوں کو اپنے اندر جذب کر کے سلطنت کو معمولی آدمیوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا تھا۔ جدید اسلام اس تجربہ کو دہرا نہیں سکتا۔ اسلام جدید تفکر اور تجربہ کی روشنی میں قدم رکھ چکا ہے اور اب کوئی ولی یا پیغمبر بھی اس کو قرونِ وسطیٰ کے تصوف کی تاریکیوں کی طرف واپس نہیں لے جا سکتا''۔

اصطلاحِ خودی کی برکتیں

جوہر انسانی کے لیے خودی حکیمانہ اصطلاح کو کام میں لانے سے فطرتِ انسانی کے صحیح اسلامی تصور کے ساتھ علمی حقائق کی مطابقت علمی تحقیق اور عقلی محاکمہ کے دائرہ میں آ گئی ہے اور اقبال کے فلسفہ میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے کہ حال اور مستقبل کے تمام صحیح علمی حقائق کو اپنے اندر جذب کر سکے چونکہ خودی کا تصور صحیح ہے اور سائنسی حقائق کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن حقائق کو سائنس دان تجربات اور مشاہدات کے ایک طویل عمل کے بعد دریافت

کرتا ہے اقبال ان کو بلا دقت اور نہایت آسانی کے ساتھ خودی کی فطرت سے اخذ کرتا ہے اس قسم کے تصورات میں سے ایک ارتقا کا تصور ہے جس کا سبب (Cause) اقبال کے ہاں خودی کی فطرت سے ماخوذ ہے اور جس کا طریقہ بھی ہم نہایت آسانی سے خودی کی فطرت سے اخذ کر سکتے ہیں۔

اس بیسویں صدی میں علم کے ہر شعبہ میں سچی علمی حقیقتوں کی تعداد یہاں تک ترقی کر گئی ہے کہ جب ہم حکمت اقبال کے اندرونی تصورات کو ایک عقلی یا منطقی ترتیب کے ساتھ آراستہ کرنے کی کوشش کریں اور اس سلسلہ میں ان حقیقتوں کو اس ترتیب کے خلاؤں کو پر کرنے کے لیے کام میں لانا چاہیں تو علمی حقیقتوں کی کوئی ایسی کمی محسوس نہیں کرتے جو ہماری کوششوں کو کامیابی سے باز رکھ سکے۔ بلکہ ہماری کوششیں یہاں تک کامیاب ہوتی ہیں اور خلاؤں کی تعداد اور طوالت یہاں تک کم ہو جاتی ہے کہ ترتیب سچ مچ ایک مسلسل عقلی یا منطقی نظام کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر یہ کام اس بنا پر اور آسان ہو جاتا ہے کہ سچی علمی حقیقتوں کے موجودہ ترقی یافتہ مواد ہی سے بعض ضروری علمی حقیقتیں اقبال کی حکمت کے اندر خود اقبال کے ہاتھوں سے پہلے ہی داخل کر دی گئی ہیں۔ ان اندرونی حقیقتوں کی وجہ سے اقبال کی حکمت کے ساتھ بیرونی علمی حقیقتوں کی علمی اور عقلی مناسبت اور مطابقت نہایت آسانی کے ساتھ واضح ہو گئی ہے جس سے اس حکمت کے اندرونی حصوں کو بیرونی حصوں کے ساتھ جوڑنے کا کام آسان ہو گیا ہے۔

فلسفۂ خودی کائنات کا آخری فلسفہ ہے

حکمت اقبال کی یہی خصوصیات ہیں جو اسے کائنات کا وہ آخری فلسفہ بنا دیتی ہیں جو ہر دَور کے باطل فلسفوں کا مسکت اور تسلی بخش جواب ہو۔ شاہ ولی اللہ اور محی الدین ابن عربی کے زمانہ میں اس قسم کے فلسفہ کا وجود میں آنا ممکن نہیں تھا۔ آج اگر مسلمان یا کوئی اور قوم جدلی مادیت (DIALECTICAL MATERIALISM) کا معقول علمی جواب دینا چاہے جسے دورِ حاضر کا انسان سمجھ سکے تو وہ صرف اقبال کے نظام حکمت سے ہی پیدا کیا جا سکتا ہے، کسی اور فلسفہ سے پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ انسان اور کائنات کی سچی حقیقت کو سمجھنے کے لیے جس قسم کی ذہنی رکاوٹیں کسی زمانہ میں پیدا ہوتی ہیں قدرت ان رکاوٹوں کو دُور کرنے کے لیے علاج بھی ویسا ہی پیدا کرتی ہے۔ اقبال کا فلسفہ خودی اپنے مزاج کے لحاظ سے اپنے دَور کے فلسفوں کی تمام ظاہری خصوصیات

سے حصہ لیتا ہے تاکہ ان کا تسلی بخش جواب بن سکے۔ شاہ ولی اللہ اور محی الدین ابن عربی ایسے اکابر کے فلسفے اپنے زمانہ میں باطل فلسفوں کا جواب تھے لیکن اس زمانہ کے یا آنے والے زمانہ کے باطل فلسفوں کا جواب نہیں اور نہ بتائے جاسکتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے اسلامی تصور پر مبنی ہونے کے باوجود وہ جدید علمی حقائق کی عقلی اور منطقی حدود کے کسی نکتہ پر بھی نہ ان سے اتصال پیدا کرتے ہیں اور نہ ٹکراتے ہیں لہٰذا ان میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ایک ایسے جدید نظامِ حکمت کی صورت اختیار کر سکیں جو عقلی اور منطقی طور پر مسلسل ہو اور جس میں حال اور مستقبل کے تمام علمی حقائق سموئے جاسکیں۔ اقبال کے علاوہ دوسرے تمام مسلمان فلسفیوں کے فلسفے، فلسفہ اسلام کے ارتقاء کے وہ مراحل ہیں جو گزر چکے ہیں، اقبال کا فلسفہ ان تمام مراحل سے آگے کا فلسفہ ہے جو گزشتہ مراحل کے تمام حاصلات کو بھی اپنے اندر جمع کرتا ہے لیکن اب گزشتہ مرحلوں میں سے کوئی مرحلہ اس کو ہٹا کر اس کی جگہ نہیں لے سکتا کیونکہ ان میں کوئی فلسفہ ایسا نہیں جو اپنے اندرونی استدلال کو وسعت دے کر ایک جدید انسانی اور اجتماعی فلسفہ بن سکے اور آئندہ عالمگیر ریاست کو اپنے سیاسی یا اقتصادی یا اخلاقی یا تعلیمی یا قانونی یا معاشرتی یا اطلاعاتی نظام کے لیے قابل فہم علمی تصورات بہم پہنچا سکے۔ یہ نکتہ نہایت ہی اہم ہے اور جس قدر جلد اس پر ہم حاوی ہو جائیں ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا کیونکہ اتنا ہی ہم اپنی قوتوں کو اور فلسفوں کی جستجو یا نشر و اشاعت پر صرف کرنے کے بجائے اس فلسفہ کی تفہیم اور نشر و اشاعت کے لیے آزاد کر سکیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمیں قدیم اسلامی فلسفوں کا بھی مکمل مطالعہ کرنا چاہیے لیکن اس کے لیے دیکھا جائے کہ ان کے اندر کون سے تصورات ایسے ہیں جن کے مضمرات یا نتائج جدید فلسفہ اسلام یعنی فلسفہ خودی کی تنظیم اور ترتیب کے خلاؤں کو پر کرنے کے لیے عمدہ اور دل نشین طرز بیان مہیا کر سکتے ہیں لیکن ضروری ہے کہ ہم ان قدیم فلسفوں کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مستقبل میں پوری نوعِ انسانی کو اپنے دامن میں لینے والا اور زندگی کے نظری اور عملی پہلوؤں کے لیے پوری روشنی پہنچانے والا فلسفہ اسلام صرف ایک ہی ہے اور وہ فلسفہ خودی ہے یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کی بنا پر اقبال کو یہ کہنا زیب دیتا ہے:ـــ

ہیچ کس رازے کہ می گویم نہ گفت   ہمچو فکر من در معنی نہ سفت

(جاری ہے)

جدید تعلیمی ادارے

اسلامی اقدار کو تبدیل اور تباہ کر رہے ہیں

(ملک کی دو اہم یونیورسٹیوں (جامعہ کراچی اور جامعہ پنجاب) کا چشم کشا مطالعہ

1

سید خالد جامعی

(بشکریہ ماہنامہ البرہان لاہور، فروری 2019ء)

جدید سیکولر تعلیم اور سیکولر تعلیمی ادارے کس طرح سوشل انجینئر نگ کے ذریعے ہماری دینی، مذہبی، اَخلاقی، معاشرتی، روایتی، تاریخی اقدار تبدیل کرتے ہیں اس سلسلے میں دو اہم تحریریں پیش خدمت ہیں۔ پہلی تحریر ڈاکٹر عارفہ فرید سابق صدر فلسفہ کراچی یونیورسٹی کی ہے اور دوسری تحریر ممتاز صحافی اور فوٹو گرافر ایف ای چودھری کا انٹرویو ہے جو پنجاب یونیورسٹی کے بارے میں لیا گیا تھا۔ یہ دونوں تحریریں 1950ء۔1953ء کی کراچی یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی کی دو تصویریں پیش کرتی ہیں اور آج یہ جامعات کس حال میں ہیں؟ وہ بھی دیکھ لیجئے۔

شعوری اور غیر شعوری طور پر ان جدید مخلوط سیکولر تعلیمی اداروں سے ایک نئی تہذیب و ثقافت تخلیق ہو رہی ہے جو مغرب کی کامل تقلید کرتی ہے۔[جامعہ کراچی اور جامعہ پنجاب کے احوال پر گفتگو سے پہلے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ اس رول ماڈل تعلیمی ادارے (یعنی علی گڑھ اور اس کے بانی) کا ذکر ذرا تفصیل سے کر دیا جائے جس کی ہماری جدید یونیورسٹیاں پیروی کر رہی ہیں]۔

ہر تعلیمی نظام اپنی مابعد الطبعیات، ایمانیات، اقدار، روایات، اسالیب لے کر آتا ہے۔ سرسیّد کے علی گڑھ میں جدید تعلیم آئی تو وہاں ANTI GOD SOCIETY بنائی گئی۔ یہ جدید تعلیم کا پہلا اثر تھا کہ بہت سے اساتذہ مذہب کو برا بھلا کہتے تھے۔ اس اطلاع پر اساتذہ کے خلاف کارروائی کے لیے ایک مجلس تحقیق قائم ہوئی۔ تفصیل شیخ اکرام کی کتاب میں اور اس کی قدیم

اشاعت میں دیکھیے جہاں علی گڑھ کا احوال لکھا گیا ہے۔ پروفیسروں نے نوکری بچانے کے لیے معذرت بھی کی اور کہا کہ وہ مسلمان ہیں اور خدا کو مانتے ہیں۔

سرسیّد جانتے تھے کہ جدید تعلیم لوگوں کو مذہب سے بیزار کرتی ہے

سرسیّد جانتے تھے کہ سیکولر تعلیم عیسائیت کی تعلیم سے زیادہ خطرناک ہے اور انہیں معلوم تھا کہ جدید انگریزی تعلیم لوگوں کو مذہب سے بیزار کر دیتی ہے۔ یہ سرسیّد کی بصیرت تھی کہ انہیں آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے اس امر کا اندازہ تھا کہ جدید سیکولر تعلیم اقداری(VALUE LOADED) ہے۔ یہ آئے گی تو مذہب، روایت اور اسلامی اقدار پر حملہ کرے گی۔ افسوس کہ عہد حاضر کے دینی مفکرین کو جدید تعلیم کے اثرات کے بارے میں سرسیّد اور اکبر الٰہ آبادی جیسی بصیرت حاصل نہیں حالانکہ سرسیّد نے جو کہا تھا اور اکبر الٰہ آبادی نے اپنی شاعری کے ذریعے اس جدید تعلیم کا، معاشرے، ماحول، خاندان، اولاد، اخلاقی اقدار، روایات پر جو اثر دکھایا تھا وہ آج سورج کی طرح روشن ہے مگر اس کے باوجود سب جدید تعلیم کے کوہ ندا کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔

حالی 'حیاتِ جاوید' میں لکھتے ہیں کہ سرسیّد کو مسلمانوں میں انگریزی تعلیم پھیلانی پڑی جس سے مفر ممکن نہ تھا کیونکہ اس کے بغیر مسلمانوں کا ابھرنا محال تھا یہاں تک کہ سرسیّد کو خود ان میں انگریزی تعلیم پھیلانی پڑی حالاں کہ انگریزی تعلیم کے نتائج اسلام کے حق میں مشنریوں (عیسائیوں) کی پریچنگ (تبلیغ) سے بہت زیادہ اندیشہ ناک تھے۔ (حالی 'حیات جاوید' جلد دوم ص 134 الحجرہ پبلشرز لاہور 1984ء)

حالی لکھتے ہیں کہ سرسیّد نے جب یہ دیکھا کہ انگریزی تعلیم سے کسی طرح مسلمانوں کو مفر نہیں تو اپنی عمر کا ایک تہائی حصہ اسلام کو انگریزی تعلیم کے مضر نتائج سے بچانے میں صرف کیا (ص 134 محولہ بالا)

سرسیّد کا علم الکلام اسلام کا دفاع کرنے میں ناکام رہا

حالی کا دعویٰ ہے کہ سرسیّد نے مسلمانوں کو مذہبی سیکولر تعلیم کے برے اثرات سے بچانے کے لیے کام کیا۔ یہ اثرات عیسائیت کی تعلیمات سے زیادہ مہلک تھے۔ اپنی عمر کے ایک تہائی عرصے میں سرسیّد نے تفسیر قرآن لکھی اور جدید علم الکلام تخلیق کیا لیکن ان کی تفسیر اور علم کلام کو

ان کے عہد میں ان کے قریب ترین رفقاء اور علی گڑھ نے خود ہی مسترد کر دیا کیوں کہ علم کلام ہمیشہ مدمقابل تہذیب، تمدن، علمیت کے پیدا کردہ سوالات، اشکالات، شبہات کا جواب دیتا اور ان کا ازالہ و امالہ کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ سرسیّد کے علم کلام نے مغرب کی سیکولر تعلیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے سوالات، مستشرقین کے اعتراضات، شبہات کا جواب دینے کے بجائے ان اعتراضات کو ہی درست سمجھ لیا اور قبول کر لیا اور کہا کہ یہ اعتراضات مولوی کے اسلام پر وارد ہوتے ہیں، وہ غلط اسلام ہے۔ اصل اسلام ہمارے پاس ہے، اس پر کوئی اعتراض عائد نہیں ہوتا۔

ڈپٹی نذیر احمد نے سرسیّد کی غلط سلط تفسیر کے لیے دہلوی زبان میں گالیاں تخلیق کیں، حالی، شبلی، محسن الملک نے شدید اعتراضات کیے۔ محمد حسن عسکری کا خیال تھا کہ ڈپٹی نذیر احمد کا ناول ''ابن الوقت'' سرسیّد پر لکھا گیا تھا۔ سرسیّد کے علم کلام کی تاریخ کے لیے دیکھئے:

1۔ عزیز احمد: برصغیر میں اسلامی جدیدیت

2۔ سی ڈبلیو ٹرول: ترجمہ اکرام چغتائی سرسیّد احمد خان، فکر اسلامی کی تعبیر نو

3۔ الطاف حسین حالی: حیات جاوید (دو جلدیں)

4۔ حسن عسکری: سرسیّد اور حالی کا نظریۂ فطرت

علی گڑھ نے تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ نسل پیدا کی، ہدایت یافتہ نہیں

تعلیم یافتہ جسٹس سیّد محمود نے سرسیّد کو گھر سے باہر نکال دیا

سرسیّد کی شخصیت اور ان کی درآمد کردہ جدید مغربی سیکولر تعلیم کے جو اثرات ہوئے وہ یہ کہ علی گڑھ نے ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ نسل تو پیدا کر دی، ہدایت یافتہ نسل پیدا نہیں کی۔ علی گڑھ کا مقصد بھی صرف ترقی تھا ہدایت نہیں تھا کیوں کہ ہدایت یافتہ نسل ہی ہمیشہ ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہوتی ہے کیوں کہ دین ہی ترقی کے راستے کو یعنی دنیا کے آسان ترین حصول کو، لذتوں اور مسرتوں کو، حلال حرام، صحیح غلط، مکروہ و مستحب، گناہ ثواب کے ذریعے مشکل سے مشکل تر بناتا ہے۔ لہٰذا اس ترقی یافتہ نسل کے تیار کردہ جسٹس سید محمود نے، جو سرسیّد کے بیٹے اور ہائی کورٹ کے جج تھے، اپنے باپ سرسیّد کو مرنے سے تین ماہ قبل گھر سے باہر نکال دیا تھا۔ یہ وہ بیٹا تھا جس سے سرسیّد ٹوٹ کر محبت کرتے تھے اور جس کی برطانیہ میں تعلیم کے لیے سرسیّد نے ہزاروں روپے خرچ

کیے تھے۔اسے علی گڑھ کا سیکرٹری بنانے کے لیے انھوں نے اپنے ایک قریبی دوست کو پنجہ آزمائی اور ڈوئل کا چیلنج دیا تھا۔گھر سرسیّد نے اپنے پیسے سے بنا کر بیٹے کے نام کر دیا تھا۔اس احسان کا صلہ تو ملنا تھا جو سرسید کو مل گیا۔

ڈپٹی نذیر احمد، سرسیّد کی میز پر جوتے رکھ کر پیر پھیلائے بیٹھے تھے۔نذیر احمد کہتے تھے اس طرح بیٹھنا، سرسیّد کی سیکولر تعلیم کا اثر ہے۔

آخر وہ کیا تعلیم تھی کہ سرسیّد کے بیٹے نے باپ کو اس کے بنائے ہوئے گھر سے محروم کر دیا؟ اس تعلیم کے بارے میں ایک عجیب واقعہ پڑھیے۔ڈپٹی نذیر احمد ایک مرتبہ اپنے نواسوں سے ملنے علی گڑھ آئے تو نواسوں کو سرسیّد کے کمرے میں بلایا۔وہ کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا نانا جان اپنے جوتوں سمیت پیر سرسیّد کی میز پر ان کے منہ کی طرف کیے بیٹھے ہیں۔یہ واقعہ شاہد احمد دہلوی نے نذیر احمد کے خاکے میں لکھا ہے۔شاہد احمد، نذیر احمد کے پوتے تھے۔ان کی شہادت کے مطابق اس شرمناک واقعے کے راوی نذیر احمد کے نواسے ڈاکٹر اشرف الحق ہیں۔نواسوں نے سرسیّد کے سامنے اپنے نانا کو اس حالت میں دیکھ کر کان میں کہا: نانا یہ کیا کر رہے ہیں؟ پیر نیچے کیجیے۔انھوں نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولے یہ سب کچھ ان بڑے میاں کی تعلیم کا اثر ہے۔ (شاہد احمد دہلوی، گنجینہ گوہر، کراچی، مکتبہ اسلوب 1986ء ص16)۔یہ خاکہ شاہد احمد کی کتاب ''گنجینۂ گوہر'' میں شامل ہے۔واقعی جدید سیکولر تعلیم لینے والا بچہ اپنے استاد کی کوئی عزت نہیں کرتا لیکن دینی مدرسے میں پڑھنے والا بچہ اپنے استاد کی عزت کرتا ہے، ان کے جوتے اٹھاتا ہے، ان کے آگے نہیں چلتا اور ان کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

تو دو نظام تعلیم دو مختلف قسم کے انسان پیدا کر رہے ہیں۔ایک سیکولر نظام تعلیم ہے جو تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ انسان پیدا کر رہا ہے۔ایک قدیم نظامِ تعلیم ہے جو علم یافتہ اور ہدایت یافتہ انسان پیدا کر رہا ہے۔ہمیں صرف ترقی یافتہ اور جدید تعلیم یافتہ انسان کی ضرورت ہے لیکن بھارت اور چین میں اس ترقی یافتہ انسان نے مغرب کی طرح اپنے بوڑھے ماں باپ کو گھر سے نکال کر پھینک دیا ہے۔یہاں ہر مذہبی شخص اور مذہبی تحریک یہ سوال اٹھائے گی کہ اگر سیکولر تعلیم نہ ہو تو کیا ہو؟ یہ سوال اپنی تاریخ، تہذیب، تصور علم اور مقصد زندگی سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔سوال اٹھانا سب

سے آسان کام ہے۔ اپنی تاریخ کا انکار کرنا اور مغرب کی تاریخ کی تقلید اس سے بھی آسان کام ہے۔ اصل کام اور مشکل کام اپنی تاریخ، اپنے مقصد زندگی اور اپنے عقیدے سے واقفیت ہے۔ پہلے وہ واقفیت حاصل کریں پھر اپنے سوالات پیش کریں تو ہم ان کا جواب دیں گے۔

سید محمود کے ظلم سے بچانے کے لیے راس مسعود کو انگریز پرنسپل نے پال لیا

انگریزی تعلیم یافتہ لندن پلٹ سید محمود نے سرسیّد کو گھر سے کیوں نکالا؟

عمران خان نے 6 ستمبر 2018ء کو اعلان کیا کہ نجی، سرکاری اور دینی مدارس کا نظام تعلیم ایک ہوگا (جنگ، ڈان اور تمام اخبارات 7 ستمبر 2018ء) رضا ربانی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ تعلیمی نصاب و نظام وفاق کا دائرہ نہیں، صوبوں کا دائرہ ہے۔ عمران خان صرف اسلام آباد میں اس قانون کا نفاذ کریں۔ (روزنامہ ڈان مورخہ 8 ستمبر 2018ء)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب دینی مدرسے کا طالب علم بھی استاد کی عزت نہیں کرے گا کیوں کہ وہ تعلیم یافتہ ترقی یافتہ ہوجائے گا۔ وہ بھی اپنے باپ کو سرسیّد کی طرح اپنے گھر سے نکالے گا۔ سرسیّد کے بیٹے بہت قابل تھے۔ سرسیّد نے ہزاروں روپے ادھار لے کر کے انہیں برطانیہ میں تعلیم دلائی لیکن انگریزوں نے کالا انگریز ہونے کی وجہ سے ان کی بہت بے عزتی کی لہٰذا وہ ذہنی و نفسیاتی مریض بن گئے تھے۔ اس کی تفصیلات کے لیے دو کتابیں پڑھیے:

1۔ SHASHI THROOR: AN ERA OF DARKNESS

2۔ حرف شوق: مختار مسعود

سرسیّد کا جھوٹا دعویٰ کہ ہندوستانی جاہل غیر مہذب اور غریب ہیں

سید محمود کے مزاق کا عالم یہ تھا کہ رات تین بجے اپنے بیٹے راس مسعود کو جگا دیتے، ٹھنڈے پانی سے نہلاتے، کچا قیمہ کھلاتے، بیلچے، پھاوڑے سے زمین کھدواتے، ماں چیختی رہتی کہ میرا بیٹا مر جائے گا۔ آخر کار علی گڑھ کے پرنسپل ماریسن اور اس کی بیوی نے راس مسعود کو پال لیا۔ یہ اس شخص کے گھر کی کہانی ہے جو ہندوستان کے مسلمان اور ہندوؤں کو جاہل، غریب، غیر متمدن، غیر مہذب سمجھتا تھا حالانکہ ہندوستان ایک امیر ترین، علم سے مالا مال مہذب ترین ملک تھا۔ سرسیّد نے انگریزوں کے تسلط کے لیے یہ جھوٹ تخلیق کیا اور آج بھی یہ جھوٹ ہر جگہ

دہرایا جارہا ہے۔ ہندیوں کو مہذب اور امیر بنانے کے لیے جب انگریزوں کی تعلیم، تہذیب، دولت، امارت آئی تو سر سیّد گھر سے باہر نکالے گئے، ان کی تدفین کے لیے چندہ جمع کیا گیا، سر سیّد جو مغربی تعلیم لائے تھے اس نے پوری دنیا میں معصوم بچوں کو گھروں سے نکال کر BABY SITTERS, DAY CARE CENTRES کے حوالے کیا اور ان معصوم بچوں نے جوانی میں ماں باپ کو گھروں سے نکال کر OLD HOME میں داخل کردیا۔ یہی تہذیبِ مغرب ہے۔ مغرب میں آباد مذہبی مسلمان بھی جوان ہونے کے بعد اپنے بوڑھے ماں باپ کے ساتھ گھر میں رہنا پسند نہیں کرتے کیوں کہ وہ ان کی آزادی میں مداخلت کرتے ہیں لہٰذا ہم ایسے کئی مذہبی گھرانوں کو جانتے ہیں کہ بوڑھے ماں باپ لندن امریکہ میں رہتے ہیں اور مذہبی اولاد سعودی عرب میں رہتی ہے۔ دلیل یہ ہوتی ہے کہ یہ مذہبی ملک ہے، عمرہ و حج کی سہولت ہے۔ اصل مقصد ماں باپ کی خدمت، صحبت سے بچنا ہے۔ یہ سب جدید تعلیم، آزادی، ترقی اور معیار زندگی میں اضافے کے عقیدوں کا اثر ہے۔ یہ عقیدے ہندوستان میں سر سیّد اور چراغ علی لائے تھے۔ سر سیّد کی تعلیمات اور حیات و افکار جاننے کے لیے درج ذیل کتابیں پڑھیے:

1۔ ضیاءالدین لاہوری: حیات سر سیّد
2۔ ضیاءالدین لاہوری: افکار سر سیّد
3۔ ضیاءالدین لاہوری: نقش سر سیّد

ان عقیدوں کے سب سے بڑے ناقد اکبر الہٰ آبادی اور علامہ اقبال ہیں۔ اکبر کے کلام کو تمام اسکولوں اور کالجوں میں داخل کرنا چاہیے۔ علامہ اقبال اکبر کو اپنا پیر و مرشد لکھتے تھے اقبال کے خطوط پڑھ لیجیے۔

سر سیّد کی جدید سیکولر تعلیم کا نشانہ خود سر سیّد بنے اور گھر سے نکالے گے

چین اور بھارت نے ترقی کی تو PARENTS PROTECTION ACT بنے۔

سر سیّد مغرب کی جو تعلیم لائے تھے اور جس کے بداثرات سے وہ مسلمانوں کو اپنے علم کلام کے ذریعے بچانا چاہتے تھے اس تعلیم کا پہلا نشانہ اور پہلا ہدف سر سیّد خود بنے۔ جب سر سیّد کی یہ مغربی، مادی، افادی، تجربی، معاشی خوش حالی کی تعلیم سر سیّد کے سو سال بعد بھارت اور چین میں جڑ پکڑ گئی تو چین اور بھارت میں جدید تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ نسل نے اپنے ماں باپ کے ساتھ وہی

سلوک شروع کر دیا جو سلوک سر سیّد کے بیٹے جسٹس محمود نے کیا تھا۔ سر سیّد اپنے بنائے ہوئے گھر سے بیٹے کے ہاتھوں ذلیل و رسوا کر کے نکالے گئے لہٰذا چین اور بھارت میں اولاد کے ظلم و ستم سے ماں باپ کو بچانے کے لیے PARENTS PROTECTION ACT بنائے گئے اور ماں باپ کی خدمت اولاد پر فرض کر دی گئی۔ بھارت اور چین کی ہزاروں سالہ پرانی تہذیب تیس سال میں مغربی ترقی نے ختم کر دی۔ دونوں تہذیبوں میں ماں باپ کی بے پناہ عزت تھی۔ چین میں 1979ء تک مرنے والے ماں باپ کی مورتیاں بنا کر اولاد ان کی پوجا کرتی تھی جو ماں باپ کل تک پوجنے کے لائق تھے آج کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے لائق ہو گئے۔ یہ تبدیلی کیسے آئی؟ اسے کون لایا؟ بھارت اور چین میں ریاست نے کہا کہ تمہارے ماں باپ کو کھلانے پالنے کی ذمہ داری حکومت نہیں اٹھائے گی تم یہ بوجھ خود اٹھاؤ۔ جدید مغربی تعلیم نے آپ کی اقدار، روایات سب کچھ بدل دیا۔ آپ کی تہذیب، اقدار، تمدن، اطوار طریقے بدل دیے اس کے باوجود سب کہہ رہے ہیں کہ جدید تعلیم غیر اقداری (VALUE NEUTRAL) ہوتی ہے۔ یہ بے رنگ ہے۔ اس کے پانی میں جو رنگ ڈالا جائے اس رنگ کا ہو جائے گا۔ اس پانی کی کوئی شکل نہیں، جس برتن میں ڈالو اس کی شکل اختیار لے گا لیکن بھارت، چین، مغرب اور پاکستان میں بھی یہ غیر اقداری تعلیم ہماری اقدار مسلسل بدل رہی ہے۔ اس کے باوجود ہم کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

پوری اُمت مسلمہ جدید سیکولر تعلیم کے حصول کے لیے مر رہی ہے

پوری اُمت اسی تعلیم پر مر رہی ہے۔ علماء اس تعلیم کے حصول کو دینی قوت کے احیاء کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں۔ تمام دلائل اس کے حق میں ہیں۔ کوئی اس کی تنقید کرنے، لکھنے، سننے، متبادل جاننے پر آمادہ نہیں۔ سب جدید تعلیم پر ایمان لا چکے ہیں اور اس ڈسکورس کو الحق سمجھ چکے ہیں۔ ان حالات میں تبدیلی کا عمل کیسے ممکن ہے؟ اگر مغرب کی تعلیم الحق ہے تو اس کی پیدا کردہ تہذیب، اس کی پیدا کردہ اخلاقیات، اقدار، روایات، ماں باپ کو گھر سے نکالا جانا، دنیا پرستی، سب کو الحق تسلیم کر لیا جائے۔ جب تک ہمارا ایمان، عقیدہ درست نہیں ہوگا متبادل کی بحث بے معنی ہے جب عقیدہ بدلتا ہے تو پوری زندگی کا نقشہ اور ادارے بھی بدل جاتے ہیں۔ ہم متبادل بھی بتائیں گے پہلے اپنے ایمان کو ٹھیک کیجیے۔ پیغمبرؐ جب بھی تشریف لاتے ہیں تو حاضر و موجود نظام زندگی کا

متبادل نقشہ نہیں کرتے وہ صرف عقیدہ پیش کرتے ہیں: عقیدۂ توحید، رسالت وآخرت اور حاضر و موجود سارے نظام کو تلپٹ کردیتے ہیں۔ عقیدہ پر ایمان لانے والوں سے وہ کہتے ہیں کہ سود حرام ہے تو لوگ سود چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شراب حرام ہے تو صحابہؓ شراب چھوڑ دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ شراب کے برتن بھی پیغمبر ﷺ کے حکم پر توڑ دیتے ہیں جن میں شراب پی جاتی تھی کہ ان کو دیکھ کر شراب یاد نہ آئے۔ کوئی رسالت مآب ﷺ سے یہ نہیں پوچھتا کہ شراب کا متبادل مشروب کیا ہے؟ اور شراب کے کاروبار کا متبادل کاروبار کیا ہے؟ یہ صرف بدعقیدہ انسان ہی پوچھ سکتا ہے۔ عصر حاضر میں کسی مذہبی آدمی کو عقیدے کا دین کا بتایئے تو اس کا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ متبادل بتاؤ۔ سود چھوڑوں تو اس کا متبادل کیا ہے؟ گویا اگر اسے متبادل نہیں بتایا جائے گا تو وہ گنا کی دلدل میں دھنستا چلا جائے گا جس کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوگی!

رسالت مآب ﷺ سے کسی ایک صحابی نے شراب وسود کا متبادل نہیں پوچھا تھا

اجتہاد دینی مآخذ کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ کہ دینی مآخذ میں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی رسالت مآب ﷺ سے متبادل کا سوال نہیں کیا۔ وہ جو عقیدہ، جو شریعت، جو حکم صحابہ کو بتاتے گئے صحابہ اسے تسلیم کرتے گئے اس لیے کہ ان کا ایمان تھا کہ ہمیں صرف اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، آخرت کو ہر حال میں دنیا پر ترجیح حاصل ہے، دنیا اور اس کی ہر شے کو پرکھنے کا پیمانہ عقل، وجدان، شعور، مفادات، راحت، لذت، مسرت نہیں، آخرت اور شریعت ہے۔ ہمارے تو پیمانے ہی بدل چکے ہیں۔ ہم دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں لہٰذا دین کی خاطر کوئی نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اسلام میں زنا کا متبادل نکاح ہے لیکن اگر کوئی نکاح پر قادر نہ ہو تو اس کا متبادل روزہ، تزکیۂ نفس، صبر، عزیمت، انتظار اور اللہ کے فضل کی امید ہے۔ عصر حاضر میں ہم اس طرح کے متبادلات تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ متبادل کا مطلب ہے ہمارے مادی فوائد، نفسانی خواہشات فوراً کسی بھی طریقے، حیلے، بہانے سے اسی طرح پورے ہوں جس طرح غیر اسلامی طریقے سے پورے ہو رہے تھے خواہ اس کے لیے ہمیں اسلامی اصولوں سے انحراف کرنا پڑے۔ دین کی ایسی تعبیر پیش کی جائے جو ہر زمانے کا ساتھ دے سکے۔ علماء کی تقلید بے فائدہ ہے، سب کو اجتہاد کرنا

چاہیے۔ بے چارے یہ بھی نہیں جانتے کہ اجتہاد کے لیے ایمان اور علم کی ضرورت ہے اور تقلید کے لیے صرف ایمان کی۔ اجتہاد کا مقصد ہر عہد میں قرآن وسنت کی تقلید کو ممکن بنانا ہے۔ اجتہاد مآخذ دین کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ یہاں اجتہاد مآخذ دین میں کیا جارہا ہے اور اجتہاد وہ کررہے ہیں جو نہ عربی جانتے ہیں، نہ علم رکھتے ہیں اور نہ جن کا کوئی کردار ہے۔ جاوید غامدی اس کی نمایاں مثال ہیں۔ ان کی تحریفات پر ہم نے سوشل میڈیا میں بہت کچھ لکھا ہے۔

پاکستانی ریاست نے مخلوط تعلیم سے اسلامی نظامِ زندگی کا آغاز کیا

ڈاکٹر عارفہ فرید بتاتی ہیں کہ ہندوستان میں مخلوط تعلیم نہیں تھی لہٰذا ہندوستان کے جو اساتذہ پاکستان آئے ان سب کی خواہش تھی کہ یہاں تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم نہ ہو لیکن قومی ریاست جو مذہبی نہیں ہوتی وہ مخلوط تعلیم، مخلوط معاشرت اور آزادانہ ماحول کی سرپرستی کرتی ہے لہٰذا پاکستان میں تعلیم کا آغاز مخلوط تعلیم سے ہوا۔ ریاست مدینہ بھی اس کا نام ہے۔ 1947ء کی تحریک میں یہ دارالاسلام تھا۔ گزشتہ ستر برس سے یہی ہورہا ہے۔ لہٰذا آزادی کا عقیدہ دن بدن پھیل رہا ہے، مضبوط ہورہا ہے۔ جب ہم یہ سنتے ہیں کہ دنیا میں ترقی (DEVELOPMENT) ہورہی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اسلامی تہذیب، اقدار، روایات، ثقافت میں ترقی ہورہی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام مٹ رہا ہے اس کی REPLACMENT ہورہی ہے یعنی ترقی کے نام پر اسلامی تہذیب اور علمیت کا خاتمہ اسلام کے نام پر ہورہا ہے اور نئی مغربی تہذیب لائی جارہی ہے جس طرح مدارس سے دینی علمیت کے حاملین نکلتے ہیں بالکل اسی طرح جدید اسکول، کالج، سیکولر یونیورسٹی قدیم تعلیم کو REPLACE کرتی ہے اور آزادی کے عقیدے کو نافذ کرتی ہے جس سے نئی آزاد، آوارہ، لبرل نسل نکلتی ہے۔

عالم اسلام میں مغرب کا تسلط تین طریقوں سے ہوا

عالم اسلام میں مغرب کی آمد تین طریقوں سے ہوتی ہے:

1۔ مغرب سے افکار، نظریات، ایمانیات کی درآمد (IMPORT)۔ یہ کام متجددین اور یورپ پلٹ پڑھے لکھے لوگ کرتے ہیں۔ 2۔ مغرب سے عالم اسلام کی طرف برآمدات (EXPORT)۔ یہ کام مغرب کی امداد، سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے اداروں کا قیام، تعلیم، نظریات، ایجنسیاں، این

جی اوز، ادارے کرتے ہیں۔ 3۔مغرب کا عالم اسلام پر تسلط (IMPOSITION)۔ یہ کام عسکری، تعلیمی، تہذیبی، مالیاتی، سیاسی اور ثقافتی غلبے کے ذریعے ہوتا ہے۔

ایک اہم کتاب SOFT POWER ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ عالمی استعمار، امریکہ اور مغرب کس طرح نرم ذریعے اور پر امن طریقے سے دوسرے مذاہب اور اقوام کی اقدار بدل دیتے ہیں۔علماء کو یہ کتاب لازماً پڑھنی چاہیے۔

ایک ڈسکورس ہی دوسرے ڈسکورس کو بدل سکتا ہے: فو کالٹ

برعظیم پاک و ہند میں انگریزوں کے غلبے کے نتیجے میں ایک نئی دنیا وجود میں لائی گئی۔ فو کالٹ نے لکھا تھا کہ ایک ڈسکورس ہی دوسرے ڈسکورس کو بدل سکتا ہے یعنی دو ڈسکورس ایک ساتھ نہیں چل سکتے یعنی اسلام اور کفر، مغرب و مشرق، حق و باطل دو مختلف ڈسکورس ہیں، یہ مخلوط نہیں ہو سکتے اور اگر ان کو مخلوط کر دیا جائے تب بھی ایک ڈسکورس دوسرے کو اپنے اندر تحلیل کر لے گا۔لہٰذا سر سیّد کے ذریعے اسلامی ڈسکورس مغربی ڈسکورس سے بدلا گیا۔یہی کام سر سیّد سے پہلے مسلمانوں میں سید امیر علی کے استاد ہگلی کے امام باڑے کے متولی مولوی کرامت علی مصنف ماخذ العلوم نے کیا تھا۔ ہندوؤں میں یہی کام رام چندرا اور راجہ رام موہن رائے نے کیا۔موہن رائے انتہائی مذہبی آدمی تھا لیکن انتہائی جدیدیت پسند۔اس کی زندگی، معاملات، اقدار سب مذہبی تھے مگر اس کی ذہنیت بالکل جدید اور مغربی تھی۔ وہ خود سنسکرت کے خلاف تھا اور ہندومت کا دشمن لہٰذا دین کے لیے سب سے بڑا خطرہ کوئی جدیدیت پسند یا جاوید غامدی جیسا متجد نہیں ہوتا بلکہ وہ دین دار ہوتے ہیں جو اسلام کے دفاع کے نام پر اسلام کو مسمار کرتے ہیں اور اس کے لیے ایسا پیرایہ بیان اختیار کرتے ہیں کہ عام آدمی کو پتہ ہی نہیں چلتا۔

جدید سیکولر تعلیم ہماری اقدار، روایت، ملت، مذہب، اقدار کو کیسے بدل رہی ہے اس کا ایک نمونہ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ کی سابق صدر ڈاکٹر عارفہ فرید کے مشاہدات میں دیکھئے۔ (جاری ہے)۔

اقتباس از

فتنے اور اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

ازقلم: حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ
(مرسلہ: تجمل حسین میر، لاہور)

سب سے بڑا صدمہ اس کا ہے کہ مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہو رہے ہیں، نہایت خطرناک ہیں، تفصیل کا موقع نہیں، لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر ناگزیر ہے:

1۔ مصلحت اندیشی کا فتنہ۔ یہ فتنہ آج کل خوب برگ و بار لا رہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے، اس میں پیش نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں، اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی و علمی خدمات برکت سے خالی ہیں۔

2۔ ہر دلعزیزی کا فتنہ۔ جو بات کہی جاتی ہے، اس میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں، اس فتنہ کی اساس حبِ جاہ ہے۔

3۔ اپنی رائے پر جمود و اصرار۔ اپنی بات کو صحیح و صواب اور قطعی و یقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخور اعتناء اور لائق التفات نہ سمجھنا، بس یہی یقین کرنا کہ میرا موقف سو فیصد حق اور درست ہے اور دوسرے کی رائے سو فیصد غلط اور باطل۔ یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کا شکار ہیں۔ کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی، نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں، صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا اَلْاَھَمّ فَالْاَھَمّ کی تعیین کا اختلاف ہو۔

4۔ سوءِ ظن کا فتنہ۔ ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں، وہ سب خود غرض ہیں، ان کی نیت صحیح نہیں، بلکہ اغراض پر مبنی ہیں، اس کا منشا بھی عجب و کبر ہے۔

5۔ سوءِ فہم کا فتنہ۔ کوئی شخص کسی مخالف کی بات جب سن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے، بلکہ مکروہ انداز میں اس کی تردید فرض سمجھی جاتی ہے۔ مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں، وہی توجیہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر و تذلیل ہو۔ کیا "اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ" (یقیناً بعض گمان گناہ ہیں) اور "اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ" (بدگمانی سے بچا کرو، کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور بڑے بڑے جھوٹ اسی سے پیدا ہوتے ہیں) کی نصوص مرفوع العمل ہو چکی ہیں؟

6۔ بہتان طرازی کا فتنہ۔ مخالفین کی تذلیل و تحقیر کرنا، بلا سند ان کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا۔ اگر کسی مخالف کی بات ذرا بھی کسی نے نقل کر دی، بلا تحقیق اس پر یقین کر لینا اور مزے لے کر محافل و مجالس کی زینت بنانا، بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں، دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق صحیح سمجھنا، کیا یہ نص قرآنی "اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡۤا ......" الآیۃ (اگر آئے تمہارے پاس کوئی گناہ گار خبر لے کر تو تحقیق کر لو) کے خلاف نہیں؟

7۔ جذبہ انتقام کا فتنہ۔ کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت و نفرت یا بدگمانی ہے، لیکن خاموش رہتا ہے، لیکن جب ذرا اقتدار مل جاتا ہے، طاقت آ جاتی ہے تو پھر خاموشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا، گویا یہ خاموشی معافی اور درگزر کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ بیچارگی و ناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی، جب طاقت آ گئی تو انتقام لینا شروع کیا، رحم و کرم اور عفو و درگزر سب ختم۔

8۔ حب شہرت کا فتنہ۔ کوئی دینی یا علمی یا سیاسی کام کیا جائے، آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوں۔ درحقیقت اخلاص کی کمی یا فقدان سے اور خود نمائی و ریاکاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، صحیح کام کرنے والوں میں یہ مرض پیدا ہو گیا اور درحقیقت یہ شرکِ خفی ہے، حق تعالیٰ کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص

سے ہی بڑھتا ہے اور یہی تمام اعمال میں قبول عنداللہ کا معیار ہے، اخبارات، جلسے، جلوس، دورے زیادہ تر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

9۔ خطابت یا تقریر کا فتنہ۔ یہ فتنہ عام ہوتا جا رہا ہے کہ لن ترانیاں انتہا درجہ میں ہوں، عملی کام صفر کے درجہ میں ہوں، قوالی کا شوق دامن گیر ہے، عمل و کردار سے زیادہ واسطہ نہیں۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَاتَفعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَاتفعَلُوْنَ

''کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو''۔ (ترجمہ شیخ الہند)

خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے گویا تمام جہاں کا درد اس کے دل میں ہے، لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

10۔ پروپیگنڈہ کا فتنہ۔ جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں، خصوصاً سیاسی جماعتیں ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑ توڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق، نہ عقل ہے، نہ انصاف، محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے، اخبارات، اشتہارات ریڈیو، ٹیلی ویژن، تمام اس کے مظاہر ہیں۔

11۔ مجلس سازی کا فتنہ۔ چند اشخاص کسی بات پر متفق ہو گئے یا کسی جماعت سے اختلاف رائے ہو گیا، فوراً اخبار نکالا جاتا ہے بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک، بس ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے۔ نہایت دل کش عنوانات اور جاذب نظر الفاظ و کلمات سے قرار دادیں اور تجویزیں چھپنے لگتی ہیں۔ امت میں تفریق و انتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آئی ہے۔

12۔ عصبیت جاہلیت کا فتنہ۔ اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو، اس کی حمایت و تائید کی جاتی ہے اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے۔ مدعیٔ اسلام جماعتوں کے اخبار و رسائل تصویریں، کارٹون، سینما کے اشتہار، سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں۔ مگر چوں کہ ''اپنی جماعت'' کے حامی ہیں، اس لیے جاہلی تعصب کی بنا پر ان سب کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے، الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکرداریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو، اس کے نماز روزہ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔

13۔ حب مال کا فتنہ۔حدیث میں تو آیا ہے کہ "حُبُّ الدُّنیَا رَأسُ کُلِّ خَطِیئَةٍ" (دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے) حقیقت میں تمام فتنوں کا قدر مشترک حب جاہ یا حب مال ہے، بہت سے حضرات (رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیَا حَسَنَةً) کو دنیا کی جستجو اور محبت کے لیے دلیل بناتے ہیں، حال آں کہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اور ضروریات کا حصول، اس سے انکار نہیں، نیز ایک ہے طبعی محبت، جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے، اس سے بھی انکار نہیں، مقصد تو یہ ہے کہ حب دنیا یا حب مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعت محمدیہ ﷺ اور دین اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہو جائیں۔ اقتصاد واعتدال کی ضرورت ہے، عوام سے شکایت کیا کی جائے، آج کل عوام سے یہ فتنہ گزر کر خواص کے قلوب میں بھی آ رہا ہے، اِلا ماشاءاللہ! اس فتنے کی تفصیلات کے لیے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے۔حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

ہم ان مختصر اشاروں کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کی ایک دعا پر ختم کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارزُقنِی حُبَّكَ وَ حُبَّ مَن یُّحِبُّكَ وَ حُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِی اِلَیكَ اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقتَنِی مِمَّا اُحِبُّ فَاجعَلهُ قُوَّةً لِی فِیمَا تُحِبُّ وَ مَا زَوَیتَ عَنِّی مِمَّا اُحِبُّ فَاجعَلهُ فَرَاغًا لِی فِیمَا تُحِبُّ، اَللّٰھُمَّ اجعَل حُبَّكَ اَحَبَّ الاَشیَآءِ اِلَیَّ مِن نَفسِی وَ اَھلِی وَ مِنَ المَاءِ البَارِدِ۔

استقبالِ رمضان 1440ھ (2019ء)

کے سلسلے میں منعقدہ تقریبات

مختصر رپورٹ

انجینئر عبد اللہ اسماعیل

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ کے زیر اہتمام گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی فیصلہ کیا گیا کہ اس استقبالِ رمضان پروگرام کو مرکزی سطح پر منعقد کرنے کی بجائے مختلف کالونیوں اور محلوں میں علاقائی سطح پر منعقد کیا جائے۔ چنانچہ ابتدائی طور پر 30 مقامات پر استقبالِ رمضان کا پروگرام کرنا طے پایا، جن میں سے بفضلہٖ تعالیٰ 24 مقامات پر یہ پروگرام بخیر وخوبی منعقد ہوا اور تقریباً 953 افراد نے اس سے استفادہ کیا۔ ان پروگراموں کی مختصر رپوٹ درج ذیل ہے:

(1) 10 اپریل بروز بدھ کو مسجد بلال سبزی منڈی روڈ جھنگ میں ماہانہ پروگرام میں صدر انجمن جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے خطاب کیا۔ اس میں 25 افراد نے شرکت کی۔

(2) 13 اپریل بروز ہفتہ کو قرآن اکیڈمی جھنگ رفقاء تنظیم اسلامی جھنگ کے اجتماع میں جناب ساجد محمود مسلم صاحب نے خطاب کیا جس میں 24 افراد نے شرکت کی۔

(3) 23 اپریل بروز منگل کو جامع مسجد عبید اللہ محلّہ سلطانوالہ جھنگ صدر میں صدر انجمن جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے خطاب کیا۔ جس میں 25 افراد نے شرکت کی۔

(4) 25 اپریل بروز جمعرات کو انجمن کے رکن شوریٰ جناب محمد یعقوب صاحب کے زیر اہتمام جامع مسجد راؤ کالونی جھنگ صدر میں انجینئر مختار فاروقی صاحب نے خطاب کیا۔ جس میں 12 افراد نے شرکت کی۔

(5) 26 اپریل بروز جمعہ کو انجمن کے رکن شوریٰ جناب نسیم سیال صاحب کی رہائش پر انجینئر عبداللہ اسماعیل نے خطاب کیا۔ جس میں 15 افراد نے شرکت کی۔

(6) 26 اپریل بروز جمعہ کو نماز جمعہ سے پہلے انجینئر عبداللہ اسماعیل صاحب نے استقبالِ رمضان کے عنوان پر درسِ حدیث دیا، جس میں 35 افراد شریک تھے۔

(7) 26 اپریل بروز جمعہ قرآن اکیڈمی جھنگ میں جناب عبداللہ ابراہیم صاحب نے نماز عشاء کے بعد استقبال رمضان کے موضوع درسِ حدیث دیا، جس میں 14 افراد شریک ہوئے۔

(8) 28 اپریل بروز اتوار کو جناب صدیق شہزاد صاحب کی رہائش گاہ پر جناب عبدالمجید کھوکھر صاحب نے خطاب کیا۔ جس میں 7 افراد شریک ہوئے۔

(9) 29 اپریل بروز سوموار کو کوٹ سائی سنگھ میں استقبالِ رمضان کے عنوان سے منعقدہ پروگرام میں جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے خطاب کیا اور 30 افراد نے شرکت کی۔

(10) 29 اپریل بروز سوموار حاجی منظور انور صاحب کی رہائش گاہ پر استقبالِ رمضان کے موضوع پر انجینئر عبداللہ اسماعیل صاحب نے خطاب کیا جس میں 12 افراد شریک ہوئے۔

(11) 30 اپریل کو محلّہ سلطانوالہ جھنگ صدر میں رانا امتیاز صاحب کی رہائش گاہ پر انجینئر عبداللہ اسماعیل صاحب نے خطاب کیا۔ اس میں 15 افراد نے شرکت کی۔

(12) 30 اپریل بروز منگل کو قرآن اکیڈمی جھنگ میں خواتین کی ماہانہ تربیتی نشست سے انجینئر عبداللہ اسماعیل صاحب نے خطاب کیا۔ اس پروگرام میں 90 خواتین نے شرکت کی۔

(13) 30 اپریل بروز منگل کو جناب محمد اقبال صاحب نے کھیوہ میں استقبالِ رمضان تقریب کا اہتمام کیا، جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے خطاب کیا اور میں 15 افراد نے شرکت کی۔

(14) یکم مئی بروز بدھ رہائش گاہ پروفیسر مہر غلام سرور صاحب، شاداب کالونی جھنگ صدر میں استقبال رمضان تقریب منعقد ہوئی جس میں صدر انجمن جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے خطاب کیا اس پروگرام میں 28 افراد نے شرکت کی۔

(15) 2 مئی بروز جمعرات منیر آباد میں استقبالِ رمضان پروگرام میں صدر انجمن جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے خطاب کیا اس میں 12 افراد شریک ہوئے۔

(16) 3 مئی بروز جمعہ دارالسکینہ روڈ جھنگ صدر رہائش گاہ ماسٹر ظفر اقبال ظفر صاحب پر

انجینئر عبداللہ اسماعیل صاحب نے خطاب کیا۔اس میں 20افراد شریک ہوئے۔

(17) 3 مئی بروز جمعتہ المبارک کو قرآن اکیڈمی جھنگ میں خطبہ جمعہ سے قبل استقبالِ رمضان کے موضوع پر جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے درسِ قرآن دیا۔اس تقریب میں 35افراد نے شرکت کی۔

(18) 3 مئی بروز جمعتہ المبارک کو جناب عبدالمجید کھوکھر صاحب نے منیر آباد خطابِ جمعہ میں استقبال رمضان کے عنوان پر خطاب کیا۔اس میں 40افراد شریک ہوئے۔

(19) 4 مئی بروز ہفتہ حسینیہ ہائی سکول میں جناب انجینئر عبد اللہ اسماعیل صاحب نے خطاب کیا جس میں 24افراد شریک ہوئے۔

(20) 5 مئی بروز اتوار بشیر چوک سیٹلائٹ ٹاؤن جھنگ صدر میں جناب صابر حسین صاحب نے استقبالِ رمضان تقریب کا اہتمام کیا جہاں جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے خطاب کیا۔اس میں 20افراد نے شرکت کی۔

(21) 5 مئی بروز اتوار مدرسہ جنت القرآن للبنات جھنگ سٹی میں حافظ عطاء الرحمٰن نے استقبالِ رمضان کے عنوان پر خطاب کیا۔اس میں تقریباً 60خواتین وحضرات شریک ہوئے۔

(22) 5 مئی بروز اتوار بھکر روڈ، بائی پاس مسجد میں استقبالِ رمضان کے عنوان پر صدرِ انجمن جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے خطاب کیا جس میں 35افراد شریک ہوئے۔

(23) 5 مئی بروز اتوار جامعہ سمیہ جھنگ سٹی میں حافظ عطاء الرحمٰن نے استقبالِ رمضان کے عنوان پر خطاب کیا۔اس میں تقریباً 100خواتین وحضرات شریک ہوئے۔

(24) .... جناب احسن اشرف صاحب کی رہائش پر منعقدہ تقریب سے جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے خطاب کیا۔

ان تمام پروگراموں میں ماہِ رمضان کی فضیلت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ روزہ اور قرآن کے تعلق پر خصوصی توجہ دلائی گئی اور لوگوں کو ترجمہ القرآن کے پروگراموں میں شرکت، تراویح کے بعد خلاصۃ القرآن کے اہتمام اور گھروں میں ترجمہ کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی ترغیب دی گئی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری ان کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔(آمین)

تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

کمالِ انسانیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف: پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم

ناشر: مثال پبلشرز، امین پور بازار فیصل آباد

زیرِ تبصرہ تالیف خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کی کتاب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر لاکھوں کتابیں ہر زبان میں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ سیرت نگاروں نے اپنے اپنے زاویۂ نظر سے تحقیق و جستجو سے حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ مؤلف کتاب ہٰذا کا کہنا ہے کہ ''کمالِ انسانیت، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' ایک کتاب ہی نہیں بلکہ ایک ادنیٰ اُمتی کا خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ محبت ہے''۔ قبل از اسلام عرب کا مختصر تذکرہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب، ولادت باسعادت، بچپن، جوانی، تجارت، غارِ حرا میں خلوت نشینی، آغازِ وحی، اعلانِ نبوت، دعوتِ اسلام، قریش کی مخالفت، مسلمانوں کی ہجرتِ حبشہ، سفر طائف، خلائی سفر (معراج)، ہجرتِ مدینہ، میثاقِ مدینہ ومواخات، غزوۂ بدر، معرکہ اُحد، غزوۂ خندق، صلح حدیبیہ، فتح خیبر، فتح مکہ، حجۃ الوداع اور وصال کا تذکرہ مختصر اور جامع انداز میں کیا ہے۔ اور 'حیاتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم، منزل بہ منزل' انتہائی قابل تعریف کاوش ہے جس میں صرف 25 صفحات پر عیسوی اور ہجری سالوں کے ساتھ حیاتِ طیبہ کے اہم واقعات کا مختصر تذکرہ ہے۔ کتاب کو نظموں اور نعتیہ اشعار سے بھی آراستہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب کتب سیرت میں خوبصورت اضافہ اور عوامی و تعلیمی کتب خانوں کے لیے نایاب تحفہ ہے۔ (صفحات: 256، قیمت: 700 روپے)

اندازِ سخن

(غزلیات وقطعات)

رائے امتیاز فاروق

رائے ہاؤس، کمالیہ 0300-6513040

زیرِ تبصرہ کتاب 'اندازِ سخن' علم وادب کے روشن چراغ جناب رائے امتیاز صاحب کا خوبصورت غزلیہ شعری مجموعہ ہے۔ حق و باطل میں کشاکش، معاشرتی کیفیات کا بے لاگ تجزیہ، خوشحال معاشرہ کی آرزو اور ایسے انقلاب کی نوید جسے ہر شخص دیکھنے کا خواہاں ہے۔ یہی وہ دعوت انقلاب ہے جو نوجوانوں کو دیتے ہوئے وہ پر جوش انداز میں کہتے ہیں:

زنداں کی فصیلوں کو ذرا بڑھ کے گرا دو　　ہر ظلم کے فرماں کو ٹھوکر سے اُڑا دو

رائے امتیاز سیدھی بات بغیر کسی ابہام کے کرنا پسند کرتے ہیں وہ وقت کے تقاضوں کا بخوبی ادراک رکھتے ہیں اور ہر جبر ناروا کے سامنے ڈٹ جانے کا درس دیتے ہیں۔ ان کی یہ کتاب خوبصورت شاعری میں ایک حسین اضافہ اور کتب خانوں کی زینت ہے۔

مفکر اسلام مولانا **مفتی محمود** رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمتِ اقدس میں منظوم خراجِ تحسین

مرتب: ماسٹر امجد اقبال ساجد

قاضی احسان احمد اکیڈمی، صدیق آباد، شجاع آباد

زیرِ تبصرہ تصنیف میں گزشتہ صدی کی معروف شخصیت، فقیہ ملت، مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات کا تذکرہ، ان کی زندگی میں کہی گئی نظمیں اور منظوم خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ مفتی محمود صاحب جامعہ قاسم العلوم ملتان میں شیخ الحدیث اور جمعیت علماء اسلام پاکستان اور پاکستان کی نو عظیم سیاسی جماعتوں پر مشتمل 'پاکستان قومی اتحاد' کی مسند قیادت پر فائز رہے ہیں۔ اہل علم اور دانشور حضرات نے ان کے سیاسی تدبر اور اصولوں پر مبنی سیاست کو ہمیشہ سراہا۔ زیرِ تبصرہ گلہائے عقیدت ایک بھرپور قلمی کاوش اور کتب خانوں کی زینت کے لائق ہے۔

50واں قرآن فہمی کورس کے

شرکاء کے تاثرات

(منعقدہ: 21 تا 26 اپریل 2019ء، قرآن اکیڈمی جھنگ)

1۔ فیاض قیوم شہزاد۔ لاہور

اس کورس میں تاریخ انبیاء، تاریخ اسلام اور تاریخ پاکستان کو انتہائی احسن اور مربوط انداز میں پیش کیا گیا۔ تاریخی واقعات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کیا چاہتا ہے اور اسی مقصد کے حصول کی تکمیل کے لیے حالات کا دھارا بدلتا اور استوار کرتا رہتا ہے۔......

اس کورس سے ہماری 'ذہن سازی' ہوئی کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث کے مصداق حالات اپنے آخری مراحل میں داخل ہو رہے ہیں اور ہمارے ذمے جو کام اللہ تعالیٰ نے لگایا ہے وہ ہمیں سرانجام دینا ہے۔......اس کورس کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے مفید بنانے کے لیے آن لائن کورس کا اجراء کیا جائے تاکہ دوسرے شہروں / ملکوں میں موجود لوگوں کی رسائی اس چھوٹے شہر میں موجود 'گوہر نایاب' تک ممکن ہو سکے۔

2۔ محمد ظہیر نواز۔ لاہور

اس کورس میں ......تاریخ اسلام، قرآن مجید اور کلامِ اقبال میں سے جو پڑھایا گیا اس سے ایک نئی سوچ پیدا ہوئی اور ایسے لگا جیسے ہم اپنی یادداشت کھو بیٹھے تھے اور دنیا میں آنے کا مقصد دنیا کو ہی سمجھ بیٹھے تھے اس کو ختم کر کے ایک نئی سوچ پیدا کر دی اور دنیا میں آنے کا مقصد ہمارے سامنے مکمل طور پر واضح ہو گیا۔......آج ہم یہاں سے ایک نیا مشن لے کر جا رہے ہیں کہ ہمیں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہے اور اس کا واحد ذریعہ قرآن پاک ہیں۔

3۔ ذیشان حیدر۔ لاہور

جو کچھ میں نے اس چند روزہ کورس میں حاصل کیا ہے اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں کیونکہ احساسات و جذبات کی حقیقی ترجمانی نہیں کی جاسکتی۔ اپنے رب کریم کا شکرادا کرتا ہوں جو مجھے یہاں لے آیا۔ دین اسلام کی طرف میرے رجحان کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا اس لیے مجھے دین کے بارے میں بنیادی فہم کی ضرورت تھی جس کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک نے میرے لیے رجوع الی القرآن کورس کا اہتمام فرمادیا چونکہ اس کورس کی تکمیل کے بعد مجھے عملی زندگی میں قدم رکھنا تھا جس کے لیے مجھے دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق رہنمائی کی ضرورت تھی جو کہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک نے اس چند روزہ کورس کی صورت میں اس کا بھی اہتمام فرمادیا۔

4۔ سجاد حیدر سندھو۔ لاہور

میں تاریخ کے بارے میں بہت ہی بکھرا ہوا علم لے کر آیا تھا (تسبیح کی موتیوں کی طرح)۔ استادِ محترم کی رہنمائی سے ان کو لڑی میں پرونے میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہوں۔ شمع سے شمع جلتی ہے لہٰذا جو روشنی یہاں سے حاصل کی ہے اس کو آگے پھیلانے کی اجازت کا بھی طلبگار ہوں نیز دعاؤں کا بھی متمنی ہوں۔ ایک تجویز عرض کرنے کی جسارت ہے کہ نوٹس کے آخری صفحہ پر اگر ممکن ہو تو ریفرنس بکس HELPING BOOKS کا اضافہ کر دیا جائے۔

5۔ محمد ابراہیم۔ لاہور

یہ کورس کر کے...... یوں محسوس ہوا کہ دنیاوی تعلیم جو حاصل کی تھی وہ محض ردی کی ڈگری ہے اور جوں جوں پرتیں کھلیں اور تاریخ اسلام سے آگاہی حاصل ہوئی تو اظہر من الشّمس ہوا کہ ہم اسی گمشدہ قوم کا اثاثہ ہیں جو اپنے نصب العین سے آگاہی نہیں رکھتے۔ اس کورس کے دوران نصب العین اور گمشدہ کڑیاں ملنے ...... سے ایسی وضاحت ملی کہ نصب العین روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔ حضور ﷺ کی ولادت سے لے آج تک کے واقعات نے اور احادیث کی روشنی میں مسلمانوں کے مستقبل کے علم نے اور مزید دیگر اقوام کے حالات نے گمشدہ ماضی کی کڑیاں جوڑ دیں اور نصب العین واضح کر دیا۔......

پانی پینے کا طریقہ

انجینئر مختار فاروقی

پانی انسانی زندگی کے لیے (بلکہ روئے ارضی پر تمام نامیاتی حیات) کے لیے ناگزیر ہے انسان روزانہ مختلف انداز میں پانی کی ایک خاص مقدار استعمال کرتا ہے۔ ماضی میں ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے دور میں پانی پینے کا انداز اور تھا جبکہ حالیہ مغربی تہذیب نے جو طریقہ عام اور رائج کر دیا ہے وہ مسلمانوں کے لیے مسنون و ماثور طریقے کے مخالف ہے اور یقیناً گلے، دانتوں، معدے اور ہاضمے کی کئی بیماریوں کی بنیادی وجہ ہے۔

سادہ ترین الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بڑے پیالے (BOWL) سے پانی SUCK کر کے یا SYPHON ACTION سے پینے کا طریقہ سکھایا۔ جبکہ حالیہ مغربی تہذیب نے پانی پینے کا انداز منہ میں پانی انڈیلنے یا GRAVITY FLOW کا طریقہ سکھایا ہے یا STRAW کے ذریعے یخ ٹھنڈا مشروب پینے سے وہ سیدھا گلے میں جا کر لگتا ہے جس سے گلے کا درجہ حرارت باقی منہ اور دانتوں کے مقابلے میں فوراً بہت گر جاتا ہے جس سے گلے کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ حدیث پاک میں بھی یوں آیا ہے کہ اِذَا شَرِبَ أَحَدُکُمْ فَلْیَمُصَّ مَصًّا، وَلَا یَعُبَّ عَبًّا، فَاِنَّ الْکُبَادَ مِنَ الْعَبِّ ''جب تم میں سے کوئی پانی وغیرہ پیئے تو چوس چوس کر پیئے اور ڈگڈگا کر (بڑے بڑے گھونٹ بھر کر یا چوپاؤں کی طرح برتن میں منہ ڈال کر) نہ پیئے کیونکہ جگر کی بیماری اسی سے ہوتی ہے''۔ (بیہقی عن ابن ابی حسینؒ) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ کَانَ اِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ ثَلَاثًا، وَیَقُولُ: هُوَ أَهْنَأُ وَ أَمْرَأُ وَ أَبْرَأُ (ایضاً) ''نبی اکرم ﷺ جب پانی پیتے تو تین مرتبہ سانس لیتے اور فرماتے کہ اس طرح پینا لذت بخش اور خوشگوار اور بے ضرر ہوتا ہے''۔

ان شاءاللہ

من الظلمات الی النور

25روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہوسکتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کرسکیں۔

جون، جولائی اور اگست 2019ء

اپنی فرصت کے مطابق بذریعہ فون یا ای میل نام رجسٹر کرائیں

معلومات کے لیے 20 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر

اس تربیتی کورس کا بروشر مفت حاصل کریں

یا

پر بروشر کے حصول کے لیے درخواست ای میل کریں

قرآن اکیڈمی لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

فون:047-630861-63----0336-6778561

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

حَـدَّثَـنَـا يَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

لَا حَسَدَ اِلَّا فِى اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ يَقُومُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ، وَآنَاءَ النَّهَارِ

(ابن ماجہ، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صرف دو آدمی (حسد کی حد تک) قابل رشک ہیں: ایک وہ جس کو اللہ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی پھر وہ دن اور رات کے اوقات میں اس میں لگا رہتا ہے۔ اور دوسرا وہ خوش نصیب آدمی جس کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا پھر وہ دن اور رات کے اوقات میں راہِ خدا میں اس کو خرچ کرتا رہتا ہے۔

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان......اور......سر چشمہ یقین

قرآنِ حکیم کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے پر......اور......اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں

تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہوجائے

اور شاید اس طرح رسالتِ محمدی ﷺ کی منطقی انتہاء یعنی

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ......اور......غلبہ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہ (القرآن)